ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

رُوحِ اُفکارِ مودُودیؒ

جسے میجر (ریٹائرڈ) غلام محی الدّین اعوان نے

مولانا سیّد ابُوالاعلیٰ مودُودیؒ کی "تفہیم القرآن" میں سے انھیں کے الفاظ میں مرتّب کیا ہے۔

	صفحات	قیمت
دنیا کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۱۹۰	۲۷/- روپے
آخرت کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۳۸۰	۵۱/- "
انسان کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۴۹۰	۶۶/- "
شیطان کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۹۸	۱۵/- "
تقدیر و مشیّت کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۵۰	۷/۵۰ "
توبہ و استغفار کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۹۰	۱۲/- "
اہلِ جنّت کے لیے انعامات و اکرامات کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۱۱۴	۱۶/۵۰ "

زیرِ طبع:

- انڈیکس تفہیم القرآن

زیرِ ترتیب:

- توحید و شرک کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں
- اہلِ دوزخ کے مصائب و تعذیبات، قرآن کی روشنی میں

- سائز: ۱۸ × ۲۳ / ۸
- کاغذ: فلائنگ
- طباعت: عکسی
- ٹائیٹل: دیدہ زیب

ادارہ
ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، لاهور

جلد ۱۱۵ جون ۱۹۹۱ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۵ جون ۱۹۹۱ء۔ ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ عدد ۴

رابطہ وترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ - ۲۴۴۶۸ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے زرِ سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروقی ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

شریعت بل کے بارے میں میں نے اتنی متضاد اور بے ہنگم باتیں پچھلے دو تین مہینوں میں پڑھیں کہ میرا سر چکرا گیا۔ میں نے کٹنگ جمع کیے اور ارادہ تھا کہ منارِ بابل کی ان ساری بولیوں کو زیرِ بحث لاؤں گا اور تجزیہ کر کے دکھاؤں گا کہ اس قوم کے دانشوروں اور علماء نے ایمانی و فکری وحدت باقی نہیں رہنے دی۔ ایمان تو کجا، سنجیدگی، توازن، دلیل، منطق اور شائستگی سے بھی ہمارے جہانِ افکار کو اس کے خداوندوں نے بُری طرح روند ڈالا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہم پر جب امریکی اور مغربی دباؤ موجود ہو (ایک طرح کی غلامی) جب روس اور اسرائیل اور بھارت ہمارے خلاف ہوں، جب جاگیرداروں اور وڈیروں کے اشارۂ ابرو سے انحراف کی جرأت کرنے کی تاب کسی میں نہ ہو، جب ہم فرقوں اور دھڑوں کی رسّہ کشی سے دوچار ہوں۔ جب جرائم شنیعہ کا اتنا زور ہو کہ کسی ایک دن کا اخبار یہ انتباہ دینے کے لیے کافی ہو کہ یہ جرم پرور معاشرہ ہے، جب حکومت کے کارفرما عنصر سے لے کر اُس کی بیوروکریسی، اس کے چھوٹے چھوٹے دفتری ملازمین اور اس کی پولیس تک ٹیڑھے راستوں پر چلنے پر بضد ہو، جب ہم غیر مسلم اقلیتوں اور قادیانیوں میں گھرے ہوں، جب عیاشی و فحاشی کے مشغلے کھلے بندوں جاری ہوں، جب دولت پرستی کی وبا عام ہو گئی ہو، جب تشدّد کا دورہ دورہ ہو، جب ہم مغالطہ انگیز بیانوں اور حقیقت کا چہرہ مسخ کرنے والی خبروں میں گھرے ہوں، جب ہمارے ہاں کے دانشوروں کی ایک بڑی تعداد سیکولر نظام

اور مسلمانی بلا اسلام کی شائق ہو، تو ایسے ماحول میں یہ امید کرنا کہ کوئی معیاری اور مصبانِ دین کے اطمینان کا شریعت بِل یہاں کے ان جمہوری ایوانوں میں پاس ہو سکتا ہے۔ جن کے اراکین کی خاصی تعداد نماز تک نہیں پڑھتی، بعض لوگ قرآن ناظرہ نہیں پڑھ سکتے۔ بعض کی آمدنیاں اور مشغلے غیر حلال قسم کے ہیں، بعض سیاست کی گھوڑا منڈی میں دست بدست بِک سکتے ہیں، تو یہ بڑا دل خوش کن خواب ہے جس میں ہم مگن ہیں پھر اگر سماجی و سیاسی پریشر سے کچھ باتیں پاس بھی ہو جائیں تو ان کا حشر ویسا ہی ہوگا جیسا قرار دادِ مقاصد اور دستور کی اسلامی شقوں کا اب تک ہوا ہے۔

صحیح شریعت بل کا پاس ہونا یا شریعت کا نافذ ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ کارفرما قوت راست بازی اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور رسولِ خدا کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو پاکستان بھر کے لیے لازم سمجھتی ہو اور دنیا کی ساری مزاحم قوتوں کی مزاحمت اور ملامت سے بے نیاز ہو کر اور اپنی عادات اور اپنے مفاد سے بالاتر ہو کر طے کر لے کہ خدا اور رسولؐ کی دی ہوئی ایک ایک ہدایت نافذ کی جائے گی، خواہ مخالف طاقتوں کا پیدا کردہ بحران حکومت کو چھوڑ دینے پر ہی کیوں نہ مجبور کر دے۔

لیکن دوسری ضرورت اس بھاری انقلابی عمل کی یہ ہے کہ نیچے معاشرے کی معتدبہ قوت ایسی موجود ہو جو طوع و رغبت سے خدا کے دین اور نظامِ شریعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے، بلکہ اس کے اثرات کو پھیلائے، دلوں کو اس کے لیے سازگار کرنے کی مہم جاری کرے۔ اور دلیل اور کردار کے زور سے مزاحمتوں کا زور توڑ دے، یہ قوت خاصی وزنی حد تک موجود ہو تو پھر نفاذِ شریعت یا احیائے نظامِ اسلامی کی بدترین مزاحم قوتیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور یہ قوت موجود نہ ہو، یا بہت کم ہو۔ اور ڈاکوؤں اور تخریب کاروں اور خیانت کیشوں اور اسلام سے گریز و انحراف چاہنے والوں کا محاذ پُر زور ہو تو کاغذ پر لکھے ہوئے بہترین بل پر بھی حکومت کرنے والوں کے

انگوٹھے لگوا لینے سے کچھ نہ ہوگا۔

اب تک آنے والی حکومتوں، حکومتی پارٹیوں اور حکمرانوں نے تو نعرۂ اسلام کو شٹل کاک بنا کر بڑا پاکیزہ بیڈ منٹن کھیلا ہے۔ کاش کہ نواز شریف صاحب اس کالک کو دھو سکیں۔ جو ہمارے قومی چہرے پر نہایت گھٹیا تضاد کی لگی ہوئی ہے۔ مگر باتیں ایسی ایسی ہو رہی ہیں کہ جن سے اسی بیماری تضاد کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

مثلاً:

کوئی صاحب کہیں گے کہ ہم ملاؤں کی حکومت نہیں چاہتے ــــ جواب یہ ہے کہ آج تک تو ملاؤں کی نہیں "مُلاؤں" کی حکومت رہی ہے۔ ذرا اس لمبے دور کے کارناموں کا چٹھا تو کھول کر دیکھیے، کیا کیا سیاسی بلنڈر اور کیا کیا خیانتیں اور جبر یتیں اور فریب کاریاں کی گئی ہیں۔ جن لوگوں کا یہ کارنامہ ہو وہ ملاؤں پر کس منہ سے برستے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ کوئی "مُلاؤں" کے کرتوتوں پر توجہ نہ کرے۔ اچھا آپ کی مانتے ہیں، آپ یہ طے کر لیجیے کہ دینی طبقوں کے کسی آدمی سے کوئی کام نہیں لینا ہے۔ دوسری طرف یہ طے کر لیجیے کہ ایسے غیر ملا لوگ آگے آئیں جو پابندِ عبادات ہوں، علومِ دین، خصوصاً قانون میں مہارت رکھتے ہوں، شراب، قمار، سود، بدکاری، خیانت سے مبرا ہوں۔ ان کا باقاعدہ ٹسٹ لے کر شرحِ صدر سے سونپ دیجیے سب کچھ انھیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ جتنے بگاڑ آپ نے اختیار کر لیے ہیں ان سب کے ساتھ، بغیر علم دین اور عملِ دین آپ کو نفاذِ اسلام کا کام خود اپنے ہاتھوں کرنا ہے۔ کیجیے۔

بس اتنا خیال رہے کہ سامراج دشمن اور جہاد کیش طبقے کے لوگوں کو انگریز نے جو گالی "مُلا" کی دی تھی، اُسے تاریخ کے اُگالدان سے اُٹھا کر اپنے منہ میں نہ رکھیے۔ نئی گالی ایجاد کر لیجیے۔

کوئی صاحب کہیں گے کہ شریعت آئی یا اسلام آیا تو تفرقہ پھیل جائے گا۔ گویا اس

وقت تو صوبائیت اور لسانیت اور نسلیت جیسے جھنڈوں تلے جو فتنے پھیلے ہوئے ہیں اور جو طبقاتی تضاد اور تصادم موجود ہیں۔ وہ تو گویا عین اتحاد کا نمونہ ہیں۔ کوئی مغرب پرست، کوئی روس پرست اور کابل پرست، کوئی بھارت پرست، سب ٹھیک یا بس اسلام آیا تو معاملہ ٹھپ ہو جائے گا۔

کوئی کہتا ہے کہ ہم تو قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا اسلام مانتے ہیں۔ گویا ان سے پہلے تو اسلام تھا ہی نہیں۔ یا تھا تو صحیح شکل میں نہ تھا۔ اسلام خدا و رسولؐ کا دین ہے، اس حوالے سے اسے کتاب و سنت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ تمام علما، دانشوروں اور لیڈروں کے فرمودات جبھی قابلِ قبول ہوتے ہیں کہ وہ خدا و رسولؐ کے دین کے صحیح تصور تک پہنچا دیں۔

کوئی کہتا ہے کہ ٹیکنالوجی کے زمانہ ترقی میں شریعت کے نفاذ کے معنی ترقی کی گاڑی میں روڑے اٹکانے کے ہیں۔ جی ہاں، اصل دین تو سائنس اور ٹیکنالوجی اور مادی ترقی ہے۔ اسلام تو بس ایک سجاوٹ کی کلغی ہے جو دستار یا بالوں کے جوڑے میں اُڑس لی جائے۔

آپ ٹریکٹر کا کارخانہ لگائیں تو کیا لازم آتا ہے کہ ترکِ صوم و صلوٰۃ کریں۔ ہوائی جہاز اُڑائیں تو دیانت و شرافت کی قدریں ختم کر لیں۔ ایٹمی انرجی پر کام کریں تو قانونِ سرقہ کو ضرور توڑیں۔ آخر ٹیکنالوجی اور ترقی کے سامنے اسلام کو آپ متصادم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ — پہلے جب عروجِ اسلام کا دَور تھا تو اُس عہد کے مطابق ساری ترقیاں رُک گئی تھیں۔ بہتر جنگی قوت اور اسلحہ کے بغیر مسلمان آدھی دُنیا کو فتح کرتے چلے گئے۔ اور مدرسے، ہسپتال، رصدگاہیں اور علوم و فنون میں ریسرچ کے وہ کام انہوں نے کیے جو آج کی ٹیکنالوجی کی بنیاد ہیں۔ پھر جب مسلمان اسلامی لحاظ سے پستی میں گرے تو نہ ٹیکنالوجی میں کوئی کارنامہ کر سکے، نہ معاشی ترقی، نہ قیامِ وحدت،

ع "مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے!"

آپ شاید اس ذلیل حالت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ صرف نعرے ٹیکنالوجی اور ترقی

کے لگتے رہیں گے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ تمدنی زندگی کی پہلی ضرورت صفائی ہے۔ آپ کا صفائی کا معیار کیا ہے؟ آپ چلے ہیں آسمان ترقی پر کمندیں ڈالنے۔

کوئی کہتا ہے کہ دستور اور پارلیمنٹ کی بالادستی ختم ہو جائے گی، یعنی خدا اور رسولؐ کی برتری کو ماننے سے انکار ہے۔ خدا جس نے ضابطہ ہدایت دیا اور جس کی حاکمیت اور قانون کو ہم نے دستوری طور پر پہلے سے تسلیم کر رکھا ہے۔ رسولؐ جس نے میثاقِ مدینہ اور خطبۂ حجۃ الوداع کے ڈیکلریشنز کے علاوہ قرآنی تقاضوں کی عملاً تفسیر پیش کی، اور بہت سے احکام تحریری طور پر جاری کیے۔ اور بقیہ فرمودات کا ریکارڈ موجود ہے، جس کی ہر روایت کو اسناد و درایت کے لحاظ سے چیک کیا جا چکا ہے۔
یہ تو وہی بات ہوئی (قوم شعیب والی)، کہ ہم اپنے اموال اور کاروبار میں جس طریقے سے چاہیں کام لیں، تمھاری دعوت اور نماز کو اس سے کیا تعلق!
ہمارے لوگ بھی اپنی عادات، خواہشات اور معمولات کو دین و شریعت کی زد سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔
سیدھا سا سوال یہ ہے کہ خدا بڑا مانا جائے گا یا مملکت کا صدر یا اسی طرح رسولؐ کو بالاتر سمجھا جائے گا یا وزیراعظم کو؟ (یا ساری پارلیمنٹ کو)
مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شخص نے خدا اور رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اب اس کے باپ کا مقام بھی خدا اور رسولؐ سے ادنیٰ رہے گا۔ یہی صورت کسی قوم کی ہے، اگر وہ خدا کی حاکمیت، اس کے قانون اور اسوۂ رسولؐ کو بالا مانتی ہے تو پھر اسی ایمان پر اس کا سارا دستور مرتب ہوگا یا اس کی تعبیر اس کے مطابق کی جائے گی۔
نہیں ماننا تو نہ مانو، لیکن یہ فلسفہ کیا ہوا کہ پارلیمنٹ یا دستور خدا و رسول کے دین کے تابع ہو جاتے ہیں اور یہ امر ناممکن التصور ہے، کیوں ناممکن التصور ہے؟

ایک بات اور کہی جاتی ہے جیسے وزیرِاعظم صاحب بھی بلاضرورت اپنی تقریر میں کہہ گئے کہ فنڈامنٹلزم کا خوف ہے۔ حالانکہ فنڈامنٹلزم عیسائیوں کی باہمی چپقلش کے درمیان مدتوں پہلے یہ گالی ایجاد ہوئی تھی کہ فلاں فنڈامنٹلسٹ ہے۔ حال ہی میں جب امریکہ نے یہ محسوس کیا کہ ملاازم اور رجعت پسندی وغیرہ کی گالیاں مسلمانوں کے حلقوں میں اب بے وقعت ہو چکی ہیں تو انھوں نے اپنی عیسائیت کی تاریخ سے نکال کر ایک نئی گالی ہمارے سر مڑھ دی۔ اب ہم دو دھڑے ہو گئے۔ ایک کہتا ہے کہ ہم فنڈامنٹلسٹ نہیں ہیں۔ (امریکہ اور مغرب کہتے ہیں کہ شاباش!) دوسرا کہتا ہے کہ ہم فنڈامنٹلسٹ ہیں (اُدھر سے سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں کہ ہم مسلمانوں ہی کے ذریعے تمھیں کچلوا دیں گے۔) چنانچہ اب مغرب پرست مسلمانوں کی زبانوں پر یہ گالی چڑھ گئی ہے (زندہ باد امریکہ!) کاشکہ ہمارے لوگ سوچیں کہ ایک پرائی اصطلاح نے ہمیں لڑا دیا۔ ہم اپنی حقیقت کو اپنی اصطلاحوں میں کیوں نہ بیان کریں۔ اول تو اس کے معنی ہی ہمارے ہاں غلط لیے گئے ہیں اور وہ بھی مغرب ہی کے فرمودات کا ترجمہ کر کے (خصوصاً بی بی سی کے ہم بڑے احسان مند ہیں)۔ ہمارے ہاں "خداپرست" کے علاوہ کسی اور اسم کے سامنے "پرست" کا لفظ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ صریحاً شرک ہے۔ ہم کسی کو محبِ وطن تو کہہ سکتے ہیں لیکن وطن پرست نہیں کہہ سکتے۔ صرف اتنا استثنیٰ ہے کہ جب تارکِ اسلام یا اسلام بگاڑ لوگوں کو مغرب پرست یا اغیار پرست کہا جاتا ہے تو اُس کے معنی حقیقت میں ہوتے ہی یہی ہیں کہ کچھ لوگوں نے خدا پرستی کا راستہ چھوڑ کر مغرب پرستی یا دولت پرستی، یا جنس پرستی یا عیش پرستی یا اقتدار پرستی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ کسی غلط رجحان میں حد درجہ غلو پیدا ہو گیا ہے اور چاہت کا غلو ہی پرست تک پہنچاتا ہے۔

پابندِ ایمان و اسلام لوگ اگر اپنے مقام کو بیان کرنا چاہیں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام کی بنیادی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم ایمان پسند لوگ ہیں یا اصول پسند لوگ ہیں یا سچی اسلامیت کے علمبردار ہیں، وغیرہ۔ اس بارے میں میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں

کہ قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامے میں، ممتاز مفتی نے کسی مضمون اور نصر اللہ خاں (کراچی) نے تکبیر کے کالموں میں نہایت زور سے اس بات کا اثبات کیا ہے کہ ہم اسلام کے اُصولوں اور اُس کی بنیادوں پر محکم یقین رکھنے کی وجہ سے پکے فنڈا منٹلسٹ ہیں — مخالفین کی اصطلاحوں کے جادو کا فوراً شکار ہو جانا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا - مثلاً کل دشمن کہیں کہ مسلمان تو وہ ہوتا ہے جو احمق ہو تو گویا ہم فوراً اسلام سے توبہ کرنے کے لیے کان پکڑیں گے۔ جیسے کچھ عرصہ پیشتر وہ جنونی (FANATIC) بھی کہتے تھے۔ اِن ساری گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ ہماری نگاہوں میں شرافت و عزت حاصل کرنے اور مادی فائدے اُٹھانے کے لیے اُس اسلام سے اجتناب کرو جو اجتماعیت کی سطح پر آکر نظام اور قانون کی شکل اختیار کرنا چاہتا ہے۔

سوچیے کہ ہماری کتنی وفاداری ہے دشمنانِ خدا و رسولؐ اور اعدائے ملّت سے کہ جو وہ کہیں اُس پر آمنا و صدّقنا!

کسی بھی شریعت بل اور اسلامی دستور یا پروگرام کو اختیار کرنے سے پہلے اس ذلیل اعداء پرست ذہنیت کا خاتمہ کرنا چاہیے جو ہمارے گلے کا پھندا بنی ہوئی ہے۔ ہمارے دین اور نظریات اور دستور اور قانون پر طنزیہ جملے کہہ کر یا دشنام طرازیاں کرکے یا ہمیں احمق اور رجعت پسند اور ملّا اور جنونی قرار دے کر ہمارا نظامِ ہدایت معیّن کرنے کا کام اسلام دشمن طاقتوں اور شیاطینِ جن و انس کا نہیں ہے۔ یہ فیصلہ ہم خود کریں گے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا ایمان کیا ہے؟ ہماری زندگی میں سپر پاور کون سی ہے؟ ہمارا بہ حیثیت مسلمان فریضہ و نظام کیا ہے؟ دشمن گالیوں کی ناوک اندازی یا میزائل باری کی بوچھاڑ کر دیں، مگر ہم اپنے دینی علَم کی سربلندیوں کا فریضہ تو ادا کرتے ہی رہیں گے۔

جو لوگ اپنے دین پر ایمان رکھنے، اسے سربلند کرنے اور اپنے آپ کو اس کے تابع کرنے میں شرم محسوس کرتے ہوں تو وہ سرے سے دین کی کھُلی مخالفت شروع کر دیں۔ ان کا یہ کام ہی نہیں کہ وہ اسلامیت کے نظامِ اجتماعیت کی تعمیر کے لیے

اینٹلیں گارا ڈھوتے ہیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے اجماع کو نظام شریعت کے تفصیلی امور طے کرنے میں دستوری اتھارٹی مانا جائے۔ دوسرے معنوں میں قیاس و اجتہاد کرنے اور اجتہادی آرا پر اجماعی فیصلے مرتب کر کے نافذ کرنا یہ پارلیمنٹ کا کام ہو جس کے شرکا میں گھوڑا منڈی کا مال بھی ہو، جس میں شرابی بھی شامل ہوں، ہیروئن کے کاروبار میں خفیہ طور پر ملوث حضرات بھی ہوں۔ ڈاکوؤں کی حکومت در حکومت سے جن کی سانٹھ گانٹھ بھی ہو۔ جو وڈیروں کے ایجنٹ بھی ہوں، جن کا انتخاب علم اسلام اور اسلامی اخلاق کے معیارات کے مطابق نہ ہوا ہو۔ جو روپیہ خرچ کر کے، سیاسی غل غپاڑہ کر کے، پبلک کو دل کش نعروں اور وعدوں سے دھوکا دے کر آئے ہوں، اور حکومت کو مارکیٹ سمجھتے ہوں جہاں سے انہیں کمائی کر کے لے جانی ہے اور اقتدار میں اپنے حصے کو اس بات کا ذریعہ سمجھتے ہوں کہ سرکاری محکموں، اداروں اور افسروں اور ملازموں سے اپنے جائز اور ناجائز کام نکلوائیں۔ کیا ایسے لوگ جمع ہو کر دین کی خدمت کریں گے، دینی علوم اور قانونِ شریعت پر ریسرچ کریں گے، بحث و تمحیص میں قانون کے لفظوں کی لغوی، قواعدی اور تفسیری تفصیلات، نظائر، سابق تحقیقاتوں کے نتائج اور ان کے باریک اختلافات کی حوالوں اور مآخذ سے باقاعدہ پیش کش کر سکیں گے؟

کھلے میدان میں بغیر پابندیوں کے اپنے دل سے قانون سازی کرنا اور چیز ہے اور لیکن قرآن کے منشاء، رسالت کی عملی توضیحات اور خلفائے راشدین کے نمونے اور پورے دور کے محققین کے سرمایۂ کاوش کو سامنے رکھ کر خدا و رسولؐ کی مرضیات کو پورا کرنا اور شے ہے۔ یہاں پارلیمانی اکثریت کے فیصلے کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ خدا و رسول کے نصوص کے صحیح ترین تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔ اور عملاً یہ سب اسلام ہے اور دین ہے جو پارلیمنٹ نافذ کر رہی ہے۔ گویا پارلیمنٹ کے لوگ اپنے علم و کردار کی پستیوں کے باوجود کچھ تو قرآن کی تشریح میں رسولؐ کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور

کچھ خلفائے راشدین اور صحابہ عدول کا جن کی شان معصوم نے مقرر کی بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ — کیا آپ کا مقام قوم یہ تسلیم کرلے گی کہ آپ میں سے جس کا دامن تھام لیا بیڑا پار ہے۔

اس سے نیچے اُتر کر آپ قاضی شریح، قاضی ابویوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ فقہاء و محدثین سب کا مرتبہ، آپ ان کی خدمات کو کالعدم کر کے اور ان سے استفادہ کا دروازہ بند کر کے اپنے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ساری پارلیمنٹ مل کر بھی امام ابوحنیفہؒ قاضی ابویوسفؒ، یا امام شافعیؒ یا ابن تیمیہؒ میں سے کسی کی جگہ لینا تو کجا، آپ اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ قیاس و اجماع اور اجتہاد کیا ہوتا ہے۔ اور کیسے کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے مآخذ کیا ہیں، نظائر کی کیا اہمیت ہے۔ آپ نے تو اس عظیم ذمہ داری کو بچوں کا کھیل سمجھا ہے جس کے لیے کسی صلاحیت و اہلیت اور کسی معیارِ انتخاب کی ضرورت نہیں۔

اقبال نے بات اسمبلیوں کے اجتہاد کی ضرور چھیڑی تھی اور مصطفےٰ کمال سے اُمیدیں لگائی تھیں۔ مگر وہ تجربہ ناکام ہوا اور خود علامہ نے لکھا کہ وہ سپاہیوں کی قوم ہے، اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ تشریعی کاوشیں کرسکے۔ چنانچہ ان کے سامنے اُس اہلیت کا سوال آگیا جو اجتہاد و قیاس کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے انہوں نے پھر خود ہی متبادل تجویزیں غور کے لیے رکھیں۔ ایک یہ کہ پارلیمنٹ کے اندر ہی ایک خاص تعداد میں علماء کو منتخب کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک اقلیت ہوتے ہوئے آج کل اسلام گریز طبقوں کی اکثریتوں کے درمیان کیسے کوئی چیز منوا سکیں گے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ تو مُلّا کریسی ہے۔ اقبال نے ایران کی طرز پر علماء کے ایک الگ گروہ کی بات بھی کی، اُس پر اور زیادہ اعتراض وارد ہوتا تھا۔ اور یہاں تقریباً ایران سے ملتا جلتا طریقہ اختیار کیا گیا۔ وہ بھی اسی صورت میں موثر ہو سکتا تھا کہ کوئی مضبوط سربراہ ریاست یا قائد حکومت اسلامی رہنمائی کے قائم کردہ ادارے کی سفارشات کو جاری کرسکے۔

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یا تو مارشل لا ہو یا جمہوریت کے پیرائے میں فسطائی نظام - یہ دونوں صورتیں بھی قابلِ قبول نہیں ہیں -

پھر؟ —— پھر یہ کہ موجودہ طرز کے لادین جمہوری سیٹ اپ اور اس جمہوریت کے شیدائیوں کی مزاحمت کے سبب نفاذِ اسلام کے لیے اجتہادی عمل جاری کرنے کا کوئی مناسب اور قابلِ اعتماد انتظام نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں اس نظام کو توڑ کر اگر ووٹر کا معیار، اور اس سے زیادہ اُمیدواروں کا معیار اور اس سے زیادہ وزراء اور سیکرٹریوں اور مشیروں کا کردار برو ئے قانون طے ہو - اور اس کی جانچ کے لیے چھلنیاں لگی ہوں - تو پھر یہ ممکن ہے کہ پابندی سے علمِ دین رکھنے والے (چاہے وہ وکلا میں سے ہوں یا سیاسی لیڈروں میں سے تیاری کر کے آ جائیں) اور دیانت دارانہ اسلامی کردار رکھنے والے لوگ اسمبلیوں میں آئیں، اور ہر تجویز یا ترمیم یا اختلاف کے لیے شرعی نصوص، تشریعی دلائل اور سابق تحقیقی نظائر کے ساتھ گفتگو کریں - تب کچھ صورت بن سکتی ہے - عام لیڈروں اور واعظوں اور وکیلوں، صحافیوں اور شاعروں کے (شرعی طور پر غیر وقیع) مقولات اجتہادی بحثوں میں نہیں لائے جا سکتے۔

بطور حرفِ آخر عرض ہے کہ شریعت کا قافلہ جس وادیٔ پُر خار سے گذر رہا ہے، اس سے باہر آ جانے کے بعد نجانے اس کا رنگ روپ کیا ہو گا - کیا وہ اسلام اور شریعت سے ایک نیا مذاق ثابت ہو گا - یا فی الحقیقت پرچم اسلامی کی سربلندی کے مناظر سامنے آئیں گے؟ مزاحمتی طاقتیں اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اس کا حلیہ بگاڑنے اور اس کے قیمتی نتائج ممکنہ کو برباد کرنے کی کوشش کریں گے۔

کیا بنے گا اور کیا ہو گا؟

اس کا جواب میاں نواز شریف، آئی جے آئی اور پارلیمنٹ ہی کے ذمے ہے -

ہماری دعا ہے کہ خدا کرے اطاعتِ خدا و رسولؐ کی کوئی بہتر راہ نکلے تاکہ ہم اس عذاب سے بچ سکیں جو مختلف صورتوں میں، مختلف اطراف سے ہم پر لٹکا ہوا ہے -

حکمتِ سیّد مودودیؒ

داعیٔ اقامتِ دین کا اصل میدانِ کار

پھر کسی فکری و اخلاقی اور تمدّنی تحریک کو اگر بین الاقوامی پیمانے پر پھیلانا مقصود ہو تو اس کے لیے بھی یہ قطعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ مفید بھی نہیں ہے کہ شروع سے اس کو بالکل ہی بین الاقوامی بنانے کی کوشش کی جائے۔ درحقیقت اس کا صحیح عملی طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جن افکار اور نظریات اور اصولوں پر وہ تحریک انسانی زندگی کے نظام کو قائم کرنا چاہتی ہے۔ انہیں پوری قوت کے ساتھ خود اس ملک میں پیش کیا جائے جہاں سے اس کی دعوت اٹھی ہو۔ ان لوگوں کے ذہن نشین کیا جائے، جن کی زبان اور مزاج اور عادات و خصائل سے اس تحریک کے داعی بخوبی واقف ہوں، اور پھر اپنے ہی ملک میں ان اصولوں کو عملاً برت کر اور ان پر ایک کامیاب نظامِ زندگی چلا کر دنیا کے سامنے نمونہ پیش کیا جائے۔ تبھی دوسری قومیں اس کی طرف توجہ کریں گی۔ اور ان کے ذہین آدمی خود آگے بڑھ کر اسے سمجھنے اور اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کریں گے۔

(تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۳۶)

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کا مجاہدانہ تصوّف

مولانا سیّد احمد عروج قادری

حضرت شیخ کی ولادت علاقہ گیلان کے مقام نیف میں ۴۷۰ھ میں ہوئی - وہ خلیفۂ عباسی مقتدی بامر اللہ کا عہدِ حکومت تھا -

۴۸۸ھ میں آپ بغداد پہنچے - اس وقت عمر ۱۸ سال تھی - ایک طرف شیعیت، اعتزال، فتنۂ خلقِ قرآن اور باطنیت کی تحریکیں خطرہ ایمان بنی ہوئی تھیں - دوسری طرف علمائے سُو اور مکار صوفی لوگوں کے جان و مال اور اُن کے دین و ایمان پر ڈاکے ڈال رہے تھے - حرام خوری و بدکاری اور منافقت کی گرم بازاری سے بغداد جل رہا تھا -

حضرت شیخ گیلانیؒ ۴۹۶ھ میں اپنے مدرسے سے تمام مروّجہ علوم و فنون میں کامل ہو کر نکلے - شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس کی صحبت میں احسان و سلوک کی تربیت حاصل کی اور پھر قاضی ابوسعید مخزمی سے اس کی تکمیل کی -

دعوتی و اصلاحی سرگرمیاں

کتاب و سنت کے علوم و فنون سے مسلح مزاجِ شریعت سے آشنا اور اصلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو کر آپ میدانِ جہاد میں اُترے - تین محاذوں سے باطل کے خلاف جنگ کا آغاز کیا - دعوتی اجتماعات، مدرسہ، مجالسِ ارشاد و تربیت -

آپ کو الگ سے کوئی نیا مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت نہ پڑی - اپنے استاد و شیخ ابوسعید مخزمی کے مدرسے میں آپ نے مسندِ صدارت کو زینت بخشی اور

ابتداءً وہیں دعوت الی الحق کے اجتماعات بھی منعقد کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درس و تدریس اور آپ کی تقریروں میں وہ اثر بخشا کہ کچھ دنوں میں طلبہ و سامعین کی کثرت کے سبب سے مدرسے کی عمارت ناکافی ہوگئی اور اس کی توسیع عمل میں آئی لیکن یہ اوقات دعوتی اجتماعات کے لیے وہ بھی ناکافی تھی۔ چنانچہ تقریر کے لیے شہر سے باہر وسیع میدان میں منبر رکھا جاتا تھا۔ سامعین کی تعداد کبھی کبھی ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ چار سو اشخاص آپ کے مواعظ و خطبات قلم بند کیا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ چالیس سال جاری رہا۔ دعوتی و اصلاحی تقریریں ہفتے میں تین بار ہوا کرتی تھیں۔ ایک اہم اور معنی خیز بات یہ تھی کہ آپ اپنی تقریر کی تمہید میں هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی آیت تلاوت فرماتے تھے اور امام وقت کی اصلاح کی دعا بھی کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں آپ کی جدوجہد کے مقصد کو واضح کرتی ہیں۔

کوئی دین اور کوئی نظامِ زندگی، سیاسی اقتدار کی اصلاح کے بغیر کماحقہٗ نافذ نہیں ہوسکتا۔ اُس وقت خلافتِ عباسیہ کا سیاسی اقتدار کمزور بلکہ برائے نام تھا اور عام طور سے خلفاء اپنے عیش و عشرت میں مگن تھے۔ ہمہ جہتی اصلاح کی کوئی جدوجہد کامیاب نہ ہوسکتی تھی جب تک سیاسی اقتدار مستحکم اور سلطانِ وقت خود صلاح و تقویٰ سے آراستہ نہ ہو۔ حضرت الشیخ کے علم و بصیرت سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

خلیفۂ وقت کی اصلاح

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ خلیفۂ وقت کی اصلاح کے معاملے میں آپ نے کبھی بے جا لینت و نرمی، خوشامد اور چاپلوسی کی روش اختیار کی ہو بلکہ اس کے برعکس آپ سلطانِ وقت کی غلط حرکتوں پر سختی کے ساتھ علی رؤس الاشہاد ٹوکتے تھے اور آپ کے پُراثر کلام، پُرتاثیر شخصیت، اخلاص، دردمندی، بے نفسی اور بے غرضی کا یہ اثر تھا کہ بے نظیر قبولیت عامہ کے باوجود کبھی کسی خلیفہ نے آپ پر ٹیڑھی نگاہ نہ ڈالی۔ تاریخ میں ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں:

کان یامر بالمعروف و ینھٰی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاۃ والخاصۃ والعامۃ یصدعھم بذالک علی رؤوس الاشھاد ورؤوس المنابر وفی المحافل وینکر علی من یولّی الظلمۃ ولاتاخذہ فی اللہ لومۃ لائم۔

"آپ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے تھے۔ خلفاء کو، وزیروں کو، قاضیوں کو، خواص کو، عوام کو، سب کو، اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بڑی صفائی کے ساتھ بھرے مجمع میں اور برسرِ منبر ہوتا تھا، جو خلیفہ کسی ظالم کو حاکم بناتا آپ اس پر انکار کرتے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آپ کو حق کے اظہار سے نہ روکتی۔"

اس عبارت میں "یصدعھم" کا تلمیح ہے۔قرآن کی آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (اے نبیؐ تمھیں جو حکم دیا جارہا ہے اُسے کھول کر بیان کرو) کی طرف اس عبارت سے صراحتہً آپ کی ہمہ جہتی سعی اصلاح کا پتہ چلتا ہے۔کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو آپ کے دائرۂ اصلاح سے باہر ہو۔

ایک بار خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفا یحییٰ بن سعید کو جو ابن المزجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا۔ بغداد کا قاضی مقرر کیا۔جب حضرت شیخ کو اس کی خبر ملی تو برسرِ منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا:

ولّیت علی المسلمین اظلم الظلمین فما جوابک غداً عند ربّ العٰلمین ارحم الرّاحمین۔

"تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص بنایا جو اظلم الظالمین ہے۔یعنی بہت بڑا ظالم ہے۔کل قیامت میں رب العالمین کے سامنے کیا جواب دوگے جو ارحم الراحمین ہے، سب سے زیادہ مہربان ہے"۔

تاریخ کہتی ہے کہ یہ بلیغ جملے سن کر خلیفہ لرز اُٹھا، رونے لگا اور اسی وقت اس قاضی کو اس عہدے سے معزول کر دیا۔آپ کی مجالسِ وعظ میں وزراء، نقیب النقباءؒ

اور نائبینِ سلطنت بھی شریک ہوتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے کہ بعض اوقات ان کا اقتدار خلیفہ سے بھی بڑھ جاتا تھا لیکن ان کو نصیحت کرنے میں بھی آپ نرمی نہیں برتتے تھے، ان میں سے کتنے ہی آپ کے زجر و توبیخ کا شکار ہوئے۔ ایک بار خلیفہ کے قصور و محلات کا ناظم عزیز الدین آپ کی مجلس میں اپنے حشم و خدم کے ساتھ آیا، مجلس میں آنے کا پہلا اتفاق تھا، اس کے آتے ہی آپ نے اپنی تقریر کا رُخ اُس کی طرف موڑ دیا۔

آپ نے فرمایا "تم سب کی حالت یہ ہے کہ ایک دوسرے کی خدمت کرتا ہے، اللہ کی خدمت کون کرتا ہے"؟ اس سوال کے بعد آپ نے طویل نصیحت کی اور آخر میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"کھڑا ہو، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دے تاکہ اس اُجاڑ گھر یعنی دُنیا سے بھاگ کر رب کی طرف لپکیں اور اللہ کی طرف اور عمل کی طرف چلیں، عنقریب تجھ کو حق کی طرف لوٹنا ہوگا۔ اور وہ تجھ سے تیرے اعمال کی باز پُرس کرے گا" (فیوضِ یزدانی ص ۵۰۰)

ایک موقع پر آپ سے درخواست کی گئی کہ کلام میں اگر اتنی سختی نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

"میل جم گیا ہے اور جب تک اس کو زور سے نہ ملا جائے وہ دُور نہ ہوگا"

یہ کتنا بلیغ، معنی خیز اور دُور رس جواب ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اس جواب کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اِن شاء اللہ میرا کلامِ سخت ان کے لیے آبِ حیات کا کام کرے گا۔ اور انہیں حیاتِ تازہ عطا کرے گا اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کی سخت تنقیدیں بہتوں کے لیے آبِ حیات ثابت ہوئیں۔ درباری علماء

اور مشائخ کے مقابلے میں بھی آپ کے تیز و تند کلام کی یہی مصلحت تھی رہیاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہر داعی یہ روش اختیار کر سکتا ہے، اس کے لیے موقع شناسی، شخصیت اور وہ صفات درکار ہیں جو حضرتِ شیخ میں تھیں۔ ایک بار مجموعی طور پر اپنی سخت کلامی کا سبب اپنی تقریر میں یوں بیان فرمایا:

"میرا وعظ کے لیے منبر پر بیٹھنا تمہارے قلوب کی مصلحتوں اور اُن کو سنوارنے کے لیے ہے نہ کہ تقریر میں اُلٹ پھیر کرنے اور اس کو سنوارنے کے لیے۔ میری سخت کلامی سے بھاگو مت۔ کیونکہ میری تربیت اُس نے کی ہے جو دینِ خداوندی میں سخت تھا۔ میری تقریر بھی سخت ہے اور کھانا بھی سخت اور روکھا سوکھا ہے بس جو مجھ سے اور مجھ جیسے لوگوں سے بھاگا، اُس کو فلاح نصیب نہیں ہوئی، باتوں کا تعلق دین سے ہے، اُن کے متعلق جب تو بے ادب بنے گا تو میں تجھ کو چھوڑوں گا نہیں۔ اور یہ نہ کہوں گا کہ اس کو کیے جا۔ تو میرے پاس آئے یا نہ آئے میں پروا نہ کروں گا۔ میں قوت کا خواہاں خدا سے ہوں نہ کہ تم سے۔ میں تمہاری گنتی اور شمار سے ایک طرف ہوں"۔ (ص ۲۷۳)

احیائے اسلام کی تڑپ آپ کی زندگی کے اصل کارنامے کی ایک دلیل آپ کا لقب "محی الدین" بھی ہے۔ اگر آپ کی احیائے دین کی جدوجہد نمایاں نہ ہوتی اور اگر آپ کا کوئی امتیازی وصف نہ ہوتا تو پھر یہ لقب بے معنی ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مظلومیت نے آپ کو آتش زیر پا بنا دیا تھا اور آپ دین کو پھر سے غالب کرنے کے لیے ہمہ تن مصروفِ جہاد ہو گئے تھے۔ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں۔ اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے، اے باشندگانِ زمین! آؤ اور جو گر گیا ہے اُس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے اُس کو درست کر دیں یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ اے سورج اور اے چاند اور اے دن تم سب آؤ"۔ (ص ۴۹۸)

اِس مختصر سے ملفوظ میں احیائے اسلام اور اقامتِ دین کے لیے کتنی تڑپ، کتنا سوز، اور کتنا درد چھپا ہوا ہے؟ اس کو پڑھ کر قاری کا دل ہل جاتا ہے، پکارنے والا دین کی اقامت کے لیے ساری کائنات کو پکار رہا ہے، اس سے زیادہ پُرزور اور عام دعوتِ دین اور کیا ہوگی، اس پکار میں ایک تحریک، ایک تنظیم کی دھمک محسوس ہوتی ہے۔ ایک دوسرے ملفوظ میں فرماتے ہیں:

"صاحبو! اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، ان بدعتیوں، گمراہوں، اور مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو ان میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے"۔ (ص ۵۰۷)

بہت سے لوگ تقدیر کو اپنی بے عملی اور احیائے اسلام کی جدوجہد سے علیحدگی کا بہانہ بناتے ہیں۔ ایک بار آپ نے اس مسئلے کو عجیب انداز میں سمجھایا۔

"ملّاں بعض حالت وہ بھی ہے جو مخفی رکھی جاتی ہے۔ ہم کو چاہیے کہ تقدیر کی آمد کے انتظار میں سورہیں۔ بسم اللہ اس کے بعد آپ نے منبر پر تکیہ لگایا اور ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور کچھ دیر اسی حالت میں رہے۔ اس کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا! تم بیوقوف ہو اور دیوانے ہو، تمہارا مجھ سے الگ ہو کر بلا عذر بیٹھ رہنا اصل راس المال کا نقصان ہے"۔ (ص ۴۹۸)

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ میں احیائے اسلام کی دعوت دے رہا ہوں اور اس کام میں معاونت کے لیے تمہیں پکار رہا ہوں اور تم تقدیر کا عذر پیش کر کے اس جدوجہد سے علیحدگی اختیار کر رہے ہو، یہ کھلی ہوئی حماقت ہے۔ اس سے تم راس المال یعنی اپنی عمر اور مہلتِ کار کو برباد کر رہے ہو۔ اس عذر کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ آؤ۔ کیا اب بھی شبہ باقی رہتا ہے کہ حضرت شیخ کا اصل کارنامہ کیا ہے اور آپ کی جدوجہد کا نصب العین کیا تھا؟ اس وقت بغداد میں مسلمانوں کے جتنے طبقات موجود تھے، ان میں سے ہر طبقے کو آپ نے نام لے لے کر پکارا، اُن پر تنقیدیں کی ہیں۔ اور اُن تک حق کی دعوت پہنچانے کی سعی کی ہے۔ یہاں تمام تقریروں کے اقتباسات پیش کرنا طوالت کا سبب ہوگا یہاں اس طرح کا صرف ایک

اقتباس دیا جاتا ہے جس میں آپ نے مجموعی طور پر تمام باشندگانِ بغداد کو مخاطب کیا ہے:

"اے باشندگانِ بغداد، تمہارے اندر نفاق بڑھ گیا اور اخلاص کم ہوگیا ہے۔ اقوال بڑھ گئے ہیں اور اعمال کم ہوگئے ہیں، تمہیں جاننا چاہیے کہ قول بلا عمل کسی کام کا نہیں، بلکہ وہ تمہارے خلاف حجت ہے۔ قول بلا عمل ایسا خزانہ ہے جو خرچ نہیں کیا جاتا۔ وہ محض دعویٰ ہے دلیل اور گواہ کے بغیر۔ وہ ایک ڈھانچہ ہے جس میں رُوح نہیں۔ کیونکہ رُوح تو اخلاص و توحید اور کتاب و سنّت پر عمل کرنے سے آتی ہے اور وہ تمہارے اکثر اعمال سے نکل چکی ہے۔ غفلت سے باز آؤ اور خدا کی طرف پلٹو، اس کے حکم کی تعمیل کرو اور اس کے ممنوعات سے بچو۔" (ص ۱۲۰)

یہاں تک جو تفصیل پیش کی گئی اس سے بالکل واضح ہے کہ آپ کا اصل کارنامہ احیائے اسلام کی جدوجہد ہے اور اس طریق زندگی کی اقامت نصب العین ہے جس کی تعلیم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین دے گئے ہیں۔ آخر میں خود حضرت شیخ کی تصریح پیش کرتا ہوں جس سے مستند ذریعہ دوسرا موجود نہیں ہے۔

"یہ آخری زمانہ ہے کہ نفاق کا بازار جا ہوا ہے اور میں اس طریقے کو قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور آپ کے تابعین رہے ہیں۔ یہ آخری زمانہ ہے کہ لوگوں کے معبود دراہم و دنانیر بن گئے ہیں۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح بن گئے کہ اُن کے دلوں میں گوسالے کی محبت رچ گئی تھی اور اس زمانے کا گوسالہ دینار و درہم بن گیا۔ تجھ پر افسوس، تو اس دُنیا کے بادشاہ سے جاہ و مال کا طالب کس طرح بنا ہوا ہے اور اپنی مہمات میں اس پر کیسے بھروسہ کرتا ہے۔ حالانکہ عنقریب وہ یا معزول ہونے والا ہے یا مرجانے والا۔ اس کا مال و مُلک وجاہ سب جاتا رہے گا۔ اور ایک ایسی قبر میں جا بسے گا جو تاریکی و وحشت اور تنہائی و اندوہ رنج و غم اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے۔ وہ حکومت سے ہلاکت کی طرف

منتقل ہو جائے گا، لیکن اگر اس کے پاس نیک عمل اور نیک نیتی ہو گی تو حق تعالیٰ اس کو اپنی نعمت سے ڈھانپ لے گا اور حساب کتاب میں تخفیف فرمائے گا۔ جو معزول ہونے والا، مرجانے والا ہے اس پر بھروسہ مت کرو ورنہ تیری توقع نامراد رہے گی اور مدد منقطع ہو جائے گی۔" (ص ۲۰۶)

یہ تھے سیدی الشیخ عبد القادر جیلانیؒ اور یہ ہے اُن کا کارنامہ۔ آپ کی جدوجہد اور اس کے تمام ذرائع تجدید و احیائے اسلام کے محور و مرکز کے گرد گھومتے ہیں دعوتی اجتماعات کا منبرِ وعظ ہو، مدرسے کی مسندِ درس ہو یا خانقاہ کی خلوتِ تربیت۔ ہر جگہ وہی ایک مقصد تھا جو ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہا۔

آپ کی اس جدوجہد کے نتائج کیا رہے؟ اس سوال کا جواب بھی بڑا دلکش اور اطمینان بخش ہے۔ یہاں اس کی تفصیل طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئی۔ مختصراً اتنا لکھنا کافی ہے کہ حضرت الشیخ کی جدوجہد سے بغداد میں صلاح و تقویٰ کی ایک تازہ بہار آگئی تھی یہی نہیں کہ عوام و خواص کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی بلکہ قصرِ خلافت تک اس کے اثرات جا پہنچے تھے۔

اب ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ حضرت الشیخ کے حقیقی عقیدت مند وہ لوگ ہیں جو اقامتِ دین کی جدوجہد میں مشغول ہیں یا وہ لوگ جنہیں اس جدوجہد کے نام ہی سے پسینہ آتا ہے۔ اور وہ "یا غوث" کا نعرہ مار کر اور ان کی گیارھویں منا کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کر دیا۔ ہم مسلمانوں کو بالعموم اور قادریوں کو بالخصوص دعوت دیتے ہیں کہ وہ اقامتِ دین اور احیائے اسلام کی جدوجہد شروع کریں جس کے لیے حضرت شیخ زندگی بھر مصروفِ عمل رہے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَجَزَاہُ عَنِ الْاِسْلَامِ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع

جناب نورالٰہی صاحب ایڈووکیٹ - گجرات

(۲)

بحیثیت شارع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے مطاع مطلق حاکم و فرمانروا ہیں - امام ابوبکر احمد بن علی جصاص نے احکام القرآن کے باب وجوب طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریر کیا -

قال اللہ تعالیٰ (اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ) وقال تعالیٰ: (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ) وقال تعالیٰ: (وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ) وقال تعالیٰ (فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا) فاکد جل وعلا بھذہ الآیات وجوب طاع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وابان ان طاعتہ طاعۃ اللہ وافاد بذالک ان معصیتہ، معصیۃ اللہ وقال اللہ تعالیٰ: (فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ) فاوعد علی مخالفۃ امر الرسول وجعل مخالف امر الرسول والممتنع من تسلیم ما جاء بہ والشاک فیہ خارجاً من الایمان بقولہ تعالیٰ (فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا) قیل فی الحرج ھھنا انہ الشک روی ذالک عن مجاھد واصل الحرج الضیق وجائز ان یکون المراد التسلیم من غیر شک فی وجوب تسلیمہ ولا ضیق صدر بہ بل بالشراح صدر وبصیرۃ ویقین. وفی ھٰذہ الاٰیۃ دلالۃ علی ان من رد شیئا من اوامر اللہ تعالیٰ او اوامر رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو خرج من الاسلام سواء رد ہ من جھۃ الشک فیہ او من جھۃ ترک القبول والامتناع من التسلیم وذالک یوجب ماذھب الیہ الصحابۃ فی حکمھم بارتداد من امتنع من اداء الزکاۃ وقتلھم وسبی ذراریھم لان اللہ حکم بان من لم یسلم للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائہ وحکمہ فلیس من اصل الایمان۔

ترجمہ :۔ ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی (النساء۔ ۵۹) ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (النساء۔ ۶۴) ۔ جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء۔ ۸۰) ۔ پس والے نبیؐ! تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اُسے پوری طرح تسلیم کریں (النساء۔ ۶۵)

ان آیات میں اللہ جل وعلا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے وجوب کی تاکید فرمائی اور بیان کیا کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور علی ہذا القیاس رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رسول کے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے (النور۔ ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی پر وعید سنائی ہے اور رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کو تسلیم نہ کرنے والے یا اس میں شک کرنے والوں کو خارج از ایمان قرار دیا ہے۔ یہ مضمون سورۂ النساء کی مندرجہ بالا آیت ۶۵ میں بالصراحت بیان کیا گیا ہے: مجاہد کی روایت کے مطابق اس آیت میں لفظ "حرج" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شک ہے اور بنیادی طور پر حرج کا مفہوم تنگی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے فیصلے کو بغیر کسی شک کے پورے شرح صدر اور بصیرت و یقین کے ساتھ تسلیم کیا جائے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کی جائے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام یا اس کے رسولؐ کے احکام میں سے کسی حکم کو رد کیا تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا خواہ اس نے ایسا کسی شک کی وجہ سے کیا یا اس حکم کو تسلیم و قبول کرنے سے انکار کی بنا پر کیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کے ارتداد اور انہیں قتل اور ان کی ذریت کو قید کرنے کا جو حکم دیا وہ بالکل صحیح ہے کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور حکم کو تسلیم نہ کیا وہ اہلِ ایمان میں سے نہیں ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کو ماخذِ قانون قرار دیا ہے۔ فرمایا گیا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء - ۶۵)

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے

درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اُس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخر پر۔"

نواب صدیق حسن خاں نے "نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام"[1] میں اس آیت کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

طاعة الله عزوجل هي امتثال اوامره ونواهيه و طاعة رسوله صلى الله عليه وسلم هي فيما امر به ونهى عنه - قال الحافظ ابن القيم في "اعلام الموقعين"، امر الله تعالىٰ بطاعته وطاعة رسوله واعاد الفعل إعلاماً بان طاعة الرسول تجب استقلالاً من غير عرض ما امر به على الكتاب - بل اذا امر وجبت طاعته مطلقاً سواء كان ما امر به في الكتب اولم يكن فيه، فانما اوتي الكتب ومثله معه -

ترجمہ: "اللہ عزوجل کی اطاعت سے مراد اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ان کاموں میں ہے جن کا آپؐ نے حکم دیا، یا جن سے آپؐ نے منع فرمایا۔ حافظ ابن القیمؒ نے "اعلام الموقعین" نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور (الرسول کے ساتھ فعل (اطیعوا) کا اعادہ کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ رسولؐ کے احکام کی اطاعت مستقل طور پر واجب ہے خواہ یہ احکام "الکتاب" میں درج ہوں یا نہ ہوں کیوں کہ آپ کو "الکتاب" دی گئی اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور نعمت عطا کی گئی"۔

[1] مطبوعہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ص ۱۵۶ -

سید قطب شہید اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" جلد دوم پارہ پنجم کے ص ۱۲۰ پر مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

واللہ واجب الطاعة ۔ ومن خصائص الوهية ان یسن الشریعة ۔ فشریعته واجبة التنفیذ ۔ وعلی الذین امنوا ان یطیعوا اللہ ابتداء ۔ و ان یطیعوا الرسول ۔ بماله من هذه الصفة صفة الرسالة من اللہ فطاعة اذن من طاعة اللہ ۔ الذی ارسله بهذه الشریعة ببیانها للناس فی سنته ۔ وسنته وقضاؤه علی هذا ۔ جزء من الشریعة واجب النفاذ ۔ والایمان یتعلق ۔ وجوداً وعدماً ۔ بهذه الطاعة وهذا التنفیذ ۔ بنص القرآن : اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ...

ترجمہ :۔ اور اللہ کی اطاعت واجب ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے خصائص میں سے یہ امر ہے کہ وہ شریعت عطا کرے اور اس کی شریعت کا نفاذ واجب ہے ۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اوّلاً اللہ کی اطاعت کریں اور رسول کی اطاعت کریں ۔ کیونکہ آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب رسالت پر مامور کیے جانے کی بنا پر اطاعت کے مستحق ہیں ۔ آپؐ کی اطاعت اللہ کے اذن سے ہے جس نے آپؐ کو یہ شریعت دے کر بھیجا اور یہ فریضہ آپؐ کے سپرد کیا کہ آپؐ اپنی سنّت کے ذریعہ سے اس شریعت کی تشریح و توضیح کریں ۔ چنانچہ آپؐ کی سنّت اور آپؐ کے فیصلے واجب النفاذ شریعت کا حصہ ہیں اور آدمی کا ایمان شریعت کی اطاعت اور اس کے نفاذ پر منحصر ہے ، جیسا کہ نصِ قرآنی ـــ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ـــ میں بیان کیا گیا ہے ۔

مندرجہ بالا اقسام کے تشریعی اختیارات کے علاوہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید اختیارات کے لیے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائی جائیں۔

ا۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

(سورۃ الحشر۔ ۷)

ترجمہ:۔ "جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کردے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔

ب۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال۔ ۲۴)

ترجمہ:۔ "اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو، جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو زندگی بخشنے والی ہے"۔

ج۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف۔ ۱۵۷)

ترجمہ:۔ "(یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے"۔

پہلی آیت میں لفظ "ما" عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اوامر و نواہی

کو شامل ہے۔ اس لیے آنحضرت صلعم کے تمام احکام واجب التسلیم شریعت ہیں۔ سید قطب شہید نے "فی ظلال القرآن" کی آخری جلد میں اس آیت کو اسلام کا دستوری نظریہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

فسلطان القانون فی الاسلام مستمد من هٰذا التشریع جاء به الرسول - صلی الله علیه وسلم - قرآناً أو سنةً والامة کلها والامام معها لا تملك ان تخالف عما جاء الرسول - فاذا شرعت ما یخالفه لم یکن لتشریعها هٰذا سلطان، لانه فقد السند الاول الذی یستمد منه السلطان .. وهٰذه النظریة تخالف جمیع النظریات البشریة الوضعیة، بما فیها تلك التی تجعل الامة مصدر السلطات بمعنی ان الامة ان تشرع لنفسها ما تشاء، وکل ما تشرعه فهو ذو سلطان - فمصدر السلطات فی الاسلام هو شرع الله الذی جاء به الرسول صلی الله علیه وسلم والامة تقوم علی هٰذه الشریعة وتحرسها وتنفذها - والامام نائب عن الامة فی هٰذا - وفی هٰذا تنحصر حقوق الامة - فلیس لها ان تخالف عما آتاها الرسول فی ای تشریع -

ترجمہ: "اسلام میں قانون کی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ پوری اُمت اور ان کے امام کو یہ اختیار نہیں کہ وہ رسول اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت کی مخالفت کر سکے۔ جب اُمت کوئی ایسی قانون سازی کرے جو شریعت (نبوی) کے خلاف ہو تو اُسے کوئی قانونی جواز حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قانون سازی اس بنیادی سند و حجت سے محروم ہے جس پر قانون کی طاقت کا انحصار ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ انسانوں کے بنائے ہوئے جملہ نظریات کے خلاف ہے۔ کیونکہ دیگر وضعی نظریات (باقی بر صفحہ ۴۱)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

افادات امام ابن تیمیہؒ

تلخیص، تہذیب، ترتیب: حکیم شریف احسن صاحب

(امام ابن تیمیہؒ کا ایک رسالہ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے نام سے ہے۔ یہ رسالہ ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ امام صاحب محض مفکّر نہ تھے، مجاہد بھی تھے۔ اس لیے ان کی تحریروں سے عملی دشواریوں میں بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ ان کا زمانہ اگرچہ آج سے سات سو برس پہلے کا ہے لیکن اس رسالہ میں عنوانِ بالا پر انہوں نے اس طرح بحث کی ہے کہ گویا وہ عصرِ حاضر کے آدمی ہوں۔ آئندہ سطور میں اسی رسالے کے بعض اہم تر مطالب پیش کیے جا رہے ہیں)۔

امر و نہی انسانی وجود کے لوازم میں سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو تو انسان خود اپنی ذات پر امر و نہی کا شوق پورا کر لیتا ہے۔ امر کسی کام کی طلب اور چاہت کو کہتے ہیں۔ اور نہی کسی کام کے ترک کی طلب اور چاہت کا نام ہے۔ ان سے معرا انسانی زندگی کا تصور بھی مشکل ہے۔ انہی سے وہ اپنی ذات سے، اور اگر ممکن ہو تو دوسروں سے بھی، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا متقاضی ہوتا ہے۔ جہاں بھی دو یا دو سے زیادہ آدمی جمع ہوں گے، وہ لازماً ایک دوسرے سے کچھ کرنے یا نہ کرنے کو کہیں گے۔ دو آدمیوں سے جماعت وجود میں آجاتی ہے۔ اور شریعت میں نماز با جماعت کے لیے دو آدمیوں کا موجود ہونا کافی ہے۔ ایک امام دوسرا ماموم۔

جب امر و نہی انسانی وجود کے لوازم میں سے ہے تو جو شخص نہ اس معروف کا حکم دیتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، نہ اُس منکر سے روکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اور نہ اُسے کسی اور طرف سے ہی معروف کے فعل اور منکر سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو وہ نہ صرف اپنی فطرت کا تقاضا پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے بلکہ خالقِ فطرت کی حکم عدولی کا مرتکب ہوتا ہے (۵۰-۵۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔ (النساء - ۵۹) اولی الامر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہے۔ ان کے دو بڑے طبقات ہیں — اربابِ اقتدار اور اہلِ علم وکلام یہ درست ہوں گے تو عامۃ الناس بھی درست ہوں گے۔ ان میں بگاڑ آئے گا تو پورا معاشرہ بگاڑ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ سے کسی نے پوچھا: مابقاءنا علیٰ ھٰذا الامر - یعنی ہمارا یہ نظام کب تک باقی رہے گا؟ فرمایا: ما استقامت لکم ائمتکم — جب تک تمہارے (حکمران یا غیر حکمران) رہنما راہ راست پر قائم رہیں گے۔ اولوالامر کے وسیع مفہوم کی رُو سے ہر وہ شخص جس کے احکام کی پیروی کی جاتی ہو اولوالامر میں شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق ملوک و مشائخ اور سرکاری ملازمین سے ہو یا معاشرے کے عام افراد سے، ہر صاحبِ امر کا یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اُن کا حکم دے اور جن سے اس نے روکا ہے، ان سے منع کرے۔ اطاعت کرنے والوں اور پیروؤں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کی اطاعت میں صاحبِ امر کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی میں صاحبِ امر کا حکم ماننے سے انکار کر دیں۔ (۵۲)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی ان اوصاف بلکہ ایک لحاظ سے خصوصیات میں سے ہے، جن کا ذکر بطورِ خاص قرآن میں آیا ہے فرمایا:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف-۱۵۷)

"وہ انہیں معروف (بھلائی) کا حکم دیتا ہے، منکر (برائی) سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے"

یہ حضورؐ کے کمالِ رسالت کا بیان ہے۔ کیونکہ آپ ہی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے ہر معروف کا حکم دیا ہے، ہر منکر سے منع کیا ہے۔ ہر پاک چیز کو حلال اور ہر ناپاک چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ جب کہ بعض انبیاء سابقین کبھی پاک چیزیں بھی حرام کر دیتے تھے (النساء-۱۶۰) اور کبھی ناپاک چیزیں بھی حرام نہیں کی جاتی تھیں (آل عمران ۹۳)۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس اتمام اور اکمال کا واضح اعلان قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ فرمایا:

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے" (المائدہ-۳)

اسی وصف — امر بالمعروف اور نہی عن المنکر — سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو متصف کرتے ہوئے فرمایا:

"تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی خاطر میدان میں لایا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ (آل عمران-۱۱۰)

"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ یہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں"۔ (التوبہ-۷۱)

اسی بات کو حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"تم انسانوں کے لیے بہترین انسان ہو، انہیں بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے لے جا کر بہشت میں داخل کرو گے"۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ اُمت انسانوں کے لیے سب سے بڑھ کر نفع رساں

اور ان کی سب سے بڑھ کر محسن ہے۔ کیونکہ کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے اُس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل کی ہے۔ یہ لوگ ہر شخص کو ہر معروف کا حکم دیتے اور ہر منکر سے روکتے ہیں۔ اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کر کے معروف پر مبنی اس نظام کو قائم کرتے ہیں۔ خلقِ خدا کے لیے یہ کمال درجہ کی نفع رسانی اور اس پر عظیم ترین احسان ہے۔ جب کہ دوسری اُمتوں نے نہ ہر شخص کو ہر معروف کا حکم دیا، نہ ہر ایک کو ہر منکر سے روکا، اور نہ اس کی خاطر جہاد کیا۔ جنہوں نے جہاد کیا ان کا جہاد بھی بہت محدود مقاصد کے لیے تھا۔

یہاں دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واقع ہونے کی جو خبر دی ہے اُس کی شرط یہ نہیں ہے کہ حکم دینے والے کا حکم اور منع کرنے والے کی نہی دُنیا کے ہر مکلّف تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ تو تبلیغ رسالت کے لیے بھی شرط نہیں ہے۔ تو جو چیز اس کے توابع میں سے ہے اس کے لیے کیسے شرط ہوسکتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ مکلّفین اس حیثیت میں ہوں اور اس پر قادر ہوں کہ امر و نہی اُن تک پہنچ سکے۔ اس حیثیت میں ہونے کے باوجود اگر وہ اپنی کوتاہی سے ...... ان تک پہنچنے کی سعی نہ کریں جب کہ آمر و ناہی ایسے فریضہ کی ادائیگی کے لیے سرگرمِ عمل ہوں تو اس کے ذمہ دار مکلّفین ہوں گے نہ کہ آمر و ناہی۔

یاد رکھنے کے قابل دوسری چیز یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر ایک پر واجب نہیں۔ بلکہ امر کفایہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بُلائیں، معروف کا حکم دیں اور بُرائیوں سے روکتے رہیں۔" (آل عمران ۳-۱۰۴)

چونکہ اس کام کی تکمیل جہاد سے ہوتی ہے لہٰذا اس کی خاطر جہاد کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ بھی امر کفایہ ہے۔ اگر اُس پر مامور لوگ اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کریں گے تو ہر ذی استطاعت اپنی استطاعت کے لحاظ سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ ہر شخص پر اس کا وجوب بھی اس کی طاقت کے بقدر ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

"تم میں سے ہر شخص منکر (بُرائی) کو دیکھے اُس پر یہ لازم ہے کہ اسے وہ اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدل دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اُسے اپنی زبان سے بدلنے کی کوشش کرے۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہو، تو اُسے اپنے دل سے بُرا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد کے ذریعے سے اس کی تکمیل ہماری عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ اس کے سرانجام دینے میں کوئی ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے، جو بجائے خود منکر ہو اور جس سے روکنا ضروری ہو جائے۔ یہ کام واجبات کے درجہ کے ہوں یا مستحبات کے درجہ کے، ہر صورت میں یہ لازم ہے کہ ان کے سرانجام دینے میں فساد کے مقابلہ میں صلاح کا پلڑا بھاری ہو۔ اسی ہدایت کے ساتھ رسولوں کو مبعوث اور کتابوں کو نازل کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے صلاح ہے۔ اور اس نے ایک سے زیادہ حق بات پر صلاح، مصلحین، مومنین اور عملِ صالح کرنے والوں کی تعریف اور مفسدین (بگاڑ پیدا کرنے والوں) کی مذمت کی ہے۔ لہٰذا جہاں امر و نہی صلاح (بناؤ) سے زیادہ فساد (بگاڑ) کی موجب ہو تو یہ وہ چیز ہو گی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ لہٰذا اس کا ترک ضروری ہو گا۔ خواہ اس سے ایک امر واجب کا ترک اور ایک امر حرام کا ارتکاب کرنا پڑے۔ مومن پر واجب اللہ کے بندوں کے معاملہ میں خدا کا خوف ملحوظ رکھنا ہے نہ کہ ان کو ہر قیمت پر سیدھے راستے پر چلا دینا۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ - ۱۰۵)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اپنی فکر کرو۔ کسی دوسرے کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر تم خود راہ راست پر ہو"۔

اهتدا (راہ راست پر ہونا) واجبات کی ادائیگی سے تکمیل پاتا ہے۔ جب تک

ایک مسلمان اور واجبات کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ اُسے گمراہ ہونے والوں کی گمراہی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

خدا و رسول کے اس حکم کی تعمیل کبھی دل سے ہوتی ہے، کبھی زبان سے اور کبھی ہاتھ (طاقت) سے۔ دل سے تعمیل تو بہر حال واجب ہے۔ کیونکہ اس میں کسی ضرر کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو شخص اتنا بھی نہ کرے وہ مومن ہی نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ ایمان سب سے ادنیٰ اور سب سے کمزور ایمان ہے۔ جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں رائی بھر بھی ایمان کا وجود نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعودؓ سے کہا گیا زندوں میں سے مُردہ کون ہے۔ من میت الاحیاء۔ فرمایا: جو معروف کو معروف اور منکر کو منکر نہ جانے۔ اس مقام پہ دو گروہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔

ایک گروہ سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت (۱۰۵) کی تاویل کرتے ہوئے امر و نہی کے فریضہ کو ترک کر دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی طرح کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خطبہ میں فرمایا۔ "تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اسے اس جگہ رکھتے ہو جو اس کا صحیح مقام نہیں ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب لوگ منکر کو دیکھیں اور اُسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔"

دوسرا گروہ بغیر سوچے سمجھے، بلا حلم و تحمل اور یہ دیکھے بغیر کہ کس چیز میں مصلحت ہے اور کس چیز میں مصلحت نہیں ہے۔ اور کیا چیز اس کے بس میں نہیں ہے اور کیا چیز اس کے بس میں نہیں ہے۔ بہر حال و بہر صورت اندھا دھند اپنی زبان سے، یا ہاتھ سے امر و نہی پہ اتر آتا ہے۔ یہ طرزِ عمل حضرت ابو ثعلبہؓ خشنی کی اس حدیث کے منافی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

"ایک دوسرے کو معروف کا حکم دیتے رہو اور منکر سے روکتے رہو یہاں تک کہ جب دیکھو کہ بخل و حرص کی فرمانروائی ہے، خواہش نفس کی پیروی کی جا رہی ہے، دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہے، ہر رائے رکھنے والا

اپنی رائے میں مگن ہے، اور جب یہ دیکھو کہ صورتِ حال تمہارے بس سے باہر ہوگئی ہے تو تم اپنی فکر کرو، عوام کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ تمہارے آگے ایسا دور آرہا ہے۔ جس میں صبر کرنا انگارے کو مٹھی میں لینے کے برابر ہوگا۔ اس زمانے میں کام کرنے والوں کو (اور زمانے کے) کام کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ملے گا"۔

یہ گروہ امر و نہی کرتا ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کر رہا ہے، لیکن دراصل وہ حدود اللہ سے تجاوز کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مثال خوارج، معتزلہ، رافضہ اور دیگر مبتدعین اور ہوا پرست گروہ ہیں جنہوں نے امر و نہی اور جہاد کے معاملہ میں ٹھوکر کھائی۔ اور ان کی مساعی کا نتیجہ بناؤ سے کہیں زیادہ بڑے بگاڑ کی صورت میں رونما ہوا۔ اسی لیے حضورؐ نے حکمرانوں کے ظلم پر صبر کا حکم دیا اور ان سے جنگ کی ممانعت فرمائی جب تک کہ وہ اقامتِ صلوٰۃ کے فریضہ کو انجام دیتے رہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"ان کے حقوق ادا کرو اور اپنے حقوق کے لیے اللہ سے سوال کرو"۔

(باقی)

احتیاط

ترجمان القرآن میں بضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔ (ادارہ)

مولانا چودھری محمد سرفراز احمد خاں (مرحوم)

از جناب ڈاکٹر فیض احمد وڑائچ صاحب

مولانا چودھری محمد سرفراز احمد خاں (مرحوم) کی بعض کتب پر تبصرے ترجمان القرآن میں میرے قلم سے شائع ہوئے۔ ان کی تحریروں نے مجھے بڑا متاثر کیا۔ ان کا ایک تو ماخذ سے گہرا تعلق پایا۔ دوسرے سطحیت سے بالاتر تھے۔ اختلافی مسائل پر بحثوں کے باوجود مناظرانہ رنگ اور فرقہ وارانہ تلخی سے ان کی کتابیں محفوظ تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ زندگی کے غم دوراں کی پیہم گردشوں کے باوجود خاں صاحب نے محض مطالعہ و محنت سے اتنا علم دین حاصل کیا کہ ان کی کتابیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی مدرسۂ دینیہ کا فارغ التحصیل ہو۔ سرفراز خاں صاحب نے ثابت کر دیا کہ اسلام میں کوئی مذہبی طبقہ نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی شخص علم حاصل کر کے عالم دین کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مگر آج کل جو سرسری دینی اصطلاحوں اور جملوں کو استعمال کرنے والے انحراف پسند اور مغرب پرست اجتہاد دیے نکل آئے ہیں۔ مولانا سرفراز احمد خاں صاحب ایسی پست سطح کے آدمی نہ تھے۔ ان کا علم گہرا علم اور ان کی فکر مومنانہ تھی اور ان کا طریق بحث منافرت انگیز نہیں، بلکہ دلنشین تھا۔ اصل ماخذ پر ان کی نظر تھی۔ اور ان کی کتابوں میں صحیح حوالے درج ہیں۔

میں نے جناب نورالٰہی صاحب ایڈووکیٹ گجرات سے کہہ کر یہ مضمون مرحوم کے معزز فرزند ڈاکٹر فیض احمد وڑائچ سے حاصل کیا ہے۔ دونوں کا شکریہ، نیز دُعا ہے کہ مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ جنت میں جگہ دے۔ آمین!

(ف ۔ رص)

حسب فرمائش بزرگوار م والد صاحب (مرحوم) کے متعلق چند سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ماہنامہ ترجمان القرآن میں والد محترم مرحوم کی بعض تالیفات پر تبصرے شائع ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً مارچ ۱۹۸۴ء کے ترجمان میں "مصداق بشارتِ احمدؐ" پر اور جنوری ۱۹۸۲ء میں کتاب "معجزانہ ولادتِ عیسیٰ ابن مریم" پر تبصرہ شائع ہوا۔

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت ۳ رمئی ۱۸۹۷ء کو گجرات شہر کے قریب ایک دیہات "کالرہ" دیوان سنگھ (کالرہ کلاں) میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار چوہدری محمد خاں صاحب (مرحوم) اپنے زراعتی کام کاج کے علاوہ ان دنوں ایک پرائمری سکول میں مدرس تھے۔ ہمارے گھر کا شمار چند ایک پڑھے لکھے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ ہمارے گھر میں بچیوں کے لیے قرآن حکیم کی ناظرہ تعلیم کا بھی بندوبست تھا۔ گاؤں کی اکثر لڑکیاں ہمارے گھر سے ہی ابتدائی اُردو اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتی تھیں[1]۔ اس طرح سے آپ نے بچپن میں تعلیمی اور دینی ماحول میں پرورش پائی۔ دادا جان مرحوم جناب چوہدری محمد خان صاحب بہت صفائی پسند تھے۔ ہمیشہ صاف ستھرا لباس زیب تن رہتا۔ آپ نماز روزہ کے سختی سے پابند تھے۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار م نے ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ میٹرک تک مشن ہائی اسکول گجرات شہر میں پڑھتے رہے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد ٹائپ اور

---

[1] ایسے گھروں کی فضا میں پلنے والے بچے بالعموم بڑے ہو کر محب دین، طالبانِ علم و دین اور خادمانِ دین ثابت ہوتے ہیں۔

شارٹ ہینڈ کا کورس کرنے کے بعد لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں —— OLIVER)
COMMERCIAL COLLEGE) —— مال روڈ سے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ
کا کورس پاس کیا۔ اس دوران میں لاہور میں اپنی رہائش، خوراک اور تعلیم وغیرہ کا
خرچہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر پورا کرتے رہے۔ بلکہ اس آمدن سے کچھ بچا کر والدین
کی بھی خدمت کرتے رہے۔ اس کورس وغیرہ سے فارغ ہو کر حصولِ روزگار کے
سلسلہ میں کراچی چلے گئے۔ وہاں چند اسامیوں پر ملازمت کرنے کے بعد فوج کی
ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۱۸ء وغیرہ کی بات ہے کہ فوج کی ملازمت میں ہی شمالی
افریقہ کے شہر نیروبی چلے گئے۔ وہاں رہنے کے دوران وہاں کی زبان بھی تھوڑی
بہت سیکھ لی۔ فوج میں ان کی بہتر کارکردگی کی بنا پر LABOUR CORPS کے
ڈائریکٹر نے آپ کو کمیشن دینے کی سفارش کی۔ مگر موسم کے راس نہ آنے کی وجہ سے
بیمار پڑ گئے۔ اور اسی طرح سے وطن واپس لوٹ آئے۔ یہاں آ کر انہوں نے ۱۹۳۰ء
میں نوشہرہ چھاؤنی میں کنٹونمنٹ بورڈ کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ اس دفتر
میں تقریباً ۱۵ سال رہے۔ نوشہرہ چھاؤنی میں آپ نے بھرپور سماجی زندگی گزاری۔
آج تک وہاں کے لوگ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ کئی ایک احباب انہیں ملنے کے لیے
نوشہرہ سے گجرات آتے رہے۔ نوشہرہ میں ہر سال کسی نہ کسی وقت سیرت کے جلسوں
کا اہتمام فرماتے۔ دیوبند اور سہارنپور سے علماء حضرات تشریف لاتے اور ان کے قیام
طعام کا بندوبست ہمارے ہاں ہی ہوتا۔ وہاں پر آپ نے ایک انجمن اتحاد المسلمین کی
بنیاد رکھی، جس کی غرض و غایت مساجد کا انتظام، جمعہ اور عیدین کی ادائیگی کا ایک جا
انتظام اور اس کے علاوہ آپس کے چھوٹے موٹے جھگڑوں کا بذریعہ مصالحتی مجلس فیصلہ
کرنا ہوتا۔ آپ کے اس اقدام پر سی آئی ڈی حرکت میں آ گئی۔ چونکہ وہ حضرات
بزرگوارم والد صاحب کے کردار سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے بزرگوارم
والد صاحب کو مشورۃً اس کام سے باز رہنے کو کہا۔ والد صاحب نے انہیں کہا کہ
اس بات میں مضائقہ ہی کیا ہے؟ بیچارے غریب لوگ معمولی معمولی جھگڑوں کے

سلسلہ میں عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، جن میں ان کے جھگڑے تو ختم نہیں ہوتے البتہ پیسے خرچ ہوتے ہیں، نیز رنجشیں مزید بڑھتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: یہ سب درست ہے۔ مگر آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ عدالتیں بند کر دی جائیں اور وہاں کام کرنے والا عملہ برطرف کر کے گھر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس طرح سے وہ مصالحتی نظام ختم کرنا پڑا۔ دوسرے سماجی کام البتہ جاری رہے۔

بزرگوارم دادا جان کی وفات کی وجہ سے ابا جان کو نوشہرہ سے ملازمت چھوڑنا پڑی۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۵ء میں آپ نے وہاں کنٹونمنٹ بورڈ کی ملازمت کی وجہ سے دے دیا۔ اور واپس گجرات چلے آئے۔ یہاں آکر مختلف جگہ ملازمت اختیار کی پہلے گجرات پنجاب بس میں اور بعد میں صفدر اینڈ کمپنی جی ٹی روڈ گجرات میں بطور سیکرٹری رہے۔ آنجناب اکاؤنٹس اور انکم ٹیکس وغیرہ کے قوانین پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ آپ کا خط بڑا عمدہ تھا۔ اور ہر قسم کے دفتری امور کا وسیع تجربہ تھا۔ آپ کا معاملہ کمپنی کے مالکان کے ساتھ ملازمت کا سا نہیں تھا، بلکہ خیر خواہی کا تھا۔ آپ ان کے لیے بہترین مددگار ثابت ہوتے۔ اور وہ بھی آپ کو اپنا بہی خواہ اور بزرگ ہی سمجھتے تھے۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں جب آپ کی طبیعت کسی قدر کمزور ہو گئی تو آپ نے کمپنی کے مالکان سے کہا کہ اب آپ ہفتہ میں صرف تین دن ہی کام پر آسکیں گے اور اس بنا پر تنخواہ بھی پوری نہیں لیں گے۔ بلکہ اسی تناسب سے کم لیں گے۔ مالکان مان گئے اور اس طرح سے کام کرتے رہے۔ اس کے بعد بھی جب انہیں ضرورت ہوتی گھر سے کار بھجوا کر بلوا لیتے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے کس طرح سے محنت سے بھرپور زندگی گذاری۔ اس قدر مصروف زندگی کے ساتھ ساتھ دینی کتب کے مطالعہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ آپ اپنی آمدن کا بیشتر حصہ کتب کی خرید پر صرف فرماتے۔ مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ عشق تھا۔ مختلف مطبوعات کی فہرست ہائے کتب ان کے پاس آتی رہتیں۔ اور ان میں سے کتب کے انتخاب کا سلسلہ جاری رہتا۔ مطالعہ کی

ایسی پیاس تھی کہ کسی صورت بجھنے میں نہ آتی تھی۔ فہرستوں میں پسندیدہ کتب پر سُرخ سیاہی سے نشان لگاتے جاتے اور پھر ان منتخب کردہ کتب کا آرڈر بھجوا دیتے۔ اس معاملہ میں آپ نے کبھی بھی روپیہ پیسہ کی پروا نہ کی۔ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ گھر میں آنے کے بعد ہم نے کبھی انھیں ایک لمحہ کے لیے بھی فارغ نہیں دیکھا، حتیٰ کہ کھانا کھانے کے دوران میں بھی ان کا ذہن انھی مسائل میں اُلجھا رہتا تھا۔ کیونکہ اس کے فوراً بعد آپ کسی کتاب کا مطالعہ کرتے کہ فلاں کتاب لاؤ، یا خود اُٹھ کر الماری سے نکال لاتے۔ کوئی دوست عزیز ملنے آتا تو اس سے رسمی طور پر خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد پھر وہی مطالعہ شروع ہو جاتا۔ جو بھی کتاب زیر مطالعہ ہوتی اسی کا تذکرہ ہوتا رہتا۔ مطالعہ کے بارے میں آپ کا معاملہ بالکل عجیب تھا۔ آپ کو اس کے لیے کسی خاموش ماحول وغیرہ کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ارد گرد بچے کھیل رہے ہیں، شور مچا رہے ہیں، کچھ بھی ہو رہا ہے، اس سے بے خبر ہو کر آپ اپنے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مطالعہ کے دوران میں جو اہم بات یا نکتہ نظر آتا، وہاں سُرخ قلم سے نشان لگا دیتے۔ اور اگر اس معاملہ میں آپ کو کوئی اختلاف ہوتا تو حاشیہ پر نوٹ بھی لکھ دیتے۔ مطالعہ اس قدر گہرا فرماتے کہ ایک مرتبہ پڑھی ہوئی چیز ہمیشہ کے لیے ان کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی۔ آپ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جونہی کسی صاحب نے آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ فوراً جواب دیتے اور اس کتاب کا حوالہ بھی دیتے جہاں سے آپ نے وہ مسئلہ پڑھا ہوتا، بلکہ وہ کتاب بھی دکھا دیتے۔ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ اگر اپنی طبیعت کمزور ہوتی اور خود مطالعہ کے قابل نہ ہوتے تو احباب میں سے کسی سے فرمائش کرتے کہ فلاں کتاب نکالو اور فلاں جگہ سے پڑھ کر مجھے سناؤ۔ چنانچہ وہ صاحب پڑھتے اور آپ اُسے بغور سنتے رہتے اور اس دوران میں جو بات بھی وضاحت طلب ہوتی اس کی وضاحت فرماتے جاتے۔ فقہی مسائل میں آپ کا رویہ یہ تھا کہ جونہی کسی مسئلہ میں آپ کو اپنی غلطی کا پتہ چلتا فوراً اپنے طریقہ سے رجوع فرما لیتے۔ اتباع کے

لائق صرف قرآن و سنت کے احکامات کو سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی اپنی تقلید کے لیے نہیں کہا۔ سب نے یہی فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہی ان کا مذہب ہے۔

اس وسیع مطالعہ کے نتیجہ میں آپ نے کثیر کتب تالیف فرمائیں جن کو اکابر علماء نے سراہا۔ اس کے باوجود آپ نہایت منکسر المزاج تھے۔ کبھی بھی اپنے علم و زہد کا ذکر نہ فرماتے۔ ہمیشہ اپنے تئیں بندۂ عاجز ہی خیال فرماتے رہے۔

(باقی)

(بقیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع)

طاقت و اقتدار کا سرچشمہ لوگوں کو قرار دیتے ہیں اور انہیں اس بات کا مستحق سمجھتے ہیں کہ لوگ اپنے لیے جس طرح کی قانون سازی کرنا چاہیں کریں اور وہ جو قانون بھی بنائیں اُسے قانونی طاقت حاصل ہو گی۔ اس کے برعکس اسلام میں حکومت و اقتدار کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وہ شریعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اُمت کا یہ کام ہے کہ وہ اس شریعت پر قائم رہے، اس کی حفاظت کرے اور اس کو نافذ کرے اور امام اس بارے میں امت کا نائب ہے اور اسی پر اُمت کے حقوق کا انحصار ہے اور اُسے یہ استحقاق نہیں کہ وہ کوئی ایسا قانون بنا سکے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف ہو۔"

(باقی)

تحریکِ اسلامی کے مثالی کارکن

غلام قادر خاں (مرحوم)

از جناب تجمل حسین صابر۔ رکن جماعت اسلامی

(ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی اپنی زندگی گذار چکا اور کوئی وقت کا منتظر ہے)

آج کے اس گئے گذرے دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے عزیمت کی ایسی مثالیں چھوڑی ہیں جن کا ذکر سن کر ایمان پھر سے تر و تازہ ہو جاتا ہے اور دل سے بے اختیار نکلتا ہے

نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غلام قادر خاں مرحوم ۲ رمئی ۱۹۹۱ء کو مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) ساری زندگی اقامتِ دین کی جدوجہد کو اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات سمجھنے والے آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یادیں روشن چراغوں کی طرح ہمارے سامنے جگمگا رہی ہیں۔ غلام قادر خاں مرحوم مولانا مودودیؒ کے جاں نثار ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ جماعتِ اسلامی سے ابتدائی تعارف قیامِ پاکستان سے پہلے نینی تال میں پروفیسر عفور صاحب کے ذریعے

ہوا اور جماعت کے حلقۂ متفقین میں شامل ہو گئے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کراچی میں آباد ہو گئے اور یہاں آکر جماعت کی دعوت کے کام کو پھیلانے میں مصروفِ کار ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء میں جماعتِ اسلامی پاکستان کے رُکن بنے اور اپنی زندگی کا محور جماعت کی دعوت کو عام لوگوں میں پھیلانے کا ذریعہ بنا لیا۔ روزِ اوّل سے مرتے دم تک صرف ایک ہی دھن تھی اور ایک ہی جنون تھا۔ جو دل و دماغ پر حاوی تھا کہ جماعت کی دعوت کو کس طرح آگے بڑھایا جائے۔ گذر بسر کے لیے کاروبار بھی ضرور کیا۔ لیکن وہ بھی صرف وسیلے کی حد تک ورنہ رزق کے بارے میں خدا پر توکل اتنا تھا کہ کبھی جماعت کے کام پر روزگار کو اہمیت نہ دی۔ آج کل عام طور پر جب کاروبار یا ملازمت سے وقت بچے تو وہ تحریک کے لیے وقف کیا جاتا ہے لیکن اس مردِ قلندر کا انداز ہی نرالا تھا۔ یعنی وہ وقت جو دعوتِ دین کے کام سے بچے وہ کاروبار کو دیتے تھے اور اسی لیے مولانا مودودی مرحوم نے پہلے انہیں اندرونِ سندھ ایک جگہ ڈیپرٹ بھیجا تاکہ جماعت کی دعوت کو متعارف کرایا جا سکے اور ان کے اندر شعورِ حیات بیدار ہو۔ پھر وہاں کام منظم کر کے واپس کراچی آگئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب دارالحکومت کی تبدیلی عمل میں آئی اور اسلام آباد کو دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ ہوا تو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اسلام آباد جانے کا حکم دیا تاکہ یہاں کام کا آغاز کر کے اس کو منظم کیا جائے۔ نظم اور سمع و طاعت کے اس مثالی کارکن نے اپنے امیر جماعت کی پکار پر لبیک کہا۔ اپنا چلتا ہوا کاروبار دورکنتاپ، جماعت کو عطیہ میں دے کر، جس کی مالیت اُس دور میں اسّی ہزار روپے تھی، خود اسلام آباد شفٹ ہو گئے۔ ایوب خاں مرحوم کا دورِ حکومت تھا۔ جماعتِ اسلامی کے کارکنوں پہ ابتلاء کا دور تھا۔ اُس دور میں جب جماعتِ اسلامی کا نام لینا ہی مصیبتوں اور آزمائشوں کو دعوت دینا تھا، آپ نے اسلام آباد میں جماعتِ اسلامی کی دعوت پہنچائی۔ بکھرے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں ایک لڑی میں پرویا۔ اور ایک حلقۂ متفقین بنایا۔ اسلام آباد شروع سے ہی ایک حساس شہر رہا ہے۔ اور مرحوم کو شدت سے

اس بات کا احساس تھا کیونکہ اسلام آباد بنیادی طور پر سرکاری ملازمین کا شہر ہے اس لیے تحریک کے کام کو آگے بڑھانا اور پھر اُسے منظم کرنا جان جوکھوں اور مسلسل محنت کا کام تھا۔ لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ اپنا روایتی ہتھیار (تھیلا) جو دعوتی لٹریچر سے بھرا ہوتا تھا اور ایک سائیکل جو اُن کی ہر وقت کی ساتھی تھی، ایک ایک محلہ اور ایک ایک گھر گھومتے اور فریضۂ شہادتِ حق ادا کرتے۔ شہر ہی نہیں بلکہ اسلام آباد کے دیہات بھی اُن کی دعوت کا مارکٹ تھے۔ کوئی جاننے والا ہو یا نہ جاننے والا ہو، دیہی مساجد میں جاکر تحریک کی دعوت کو دل نشیں انداز میں پیش کرتے۔ اسلام آباد کا شاید ہی کوئی علاقہ ہو جہاں انہوں نے جماعت کی دعوت نہ پہنچائی ہو۔ اور شاید ہی کوئی ایسی مسجد ہو جہاں انہوں نے درسِ قرآن کے ذریعے دعوت کو نہ پھیلایا ہو۔ آپ اسلام آباد جماعت کے طویل عرصے تک قیم رہے۔ آپ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ آپ نے زندگی کے بہت سے راستوں میں سے عزیمت کے راستے کو چُنا۔ اور ساری زندگی اُس پر قائم رہے۔

غلام قادر صاحب مرحوم کا کاروبار اسٹیشنری اور جنرل آرڈر سپلائی کا تھا۔ سٹیشنری کے کام میں کمیشن نہ دینے کی وجہ سے کام پہلے ہی متاثر تھا۔ ساتھ ہی جماعت کے کام کو ہر چیز پر فوقیت دینے کی وجہ سے کاروبار کو مناسب وقت نہ مل رہا تھا لیکن انہوں نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر بے انتہا توکل تھا۔ اور اکثر کہتے تھے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ جس کے پاس رات کے کھانے کا سامان ہے وہ تو غنی ہے۔ ایک دفعہ ان کے مالی حالات کی وجہ سے کسی رفیق نے پیش کش کی کہ اگر آپ راضی ہوں تو میں آپ کو شیشے کی ایجنسی منظور کرا دیتا ہوں۔ اس طرح آپ کی آمدنی کا ایک مناسب اور مستقل ذریعہ ہو جائے گا۔ آپ نے چند دن سوچنے کی اجازت لی اور پھر انکار کر دیا۔ میں نے جب ان سے پوچھا کہ قادر صاحب آپ نے اس طرح انکار کیوں کیا۔ آخر اس میں کیا خرابی تھی تو فرمانے لگے کہ یہ رفیق میری مدد صرف اس وجہ سے کر رہے تھے کہ میرا کام جماعت کے کام کی وجہ سے متاثر ہو رہا ہے۔ لیکن میں تو جماعت

کا کام صرف اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ اگر میں اس کا اجر اس رفیق سے لے لوں گا تو روزِ محشر اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میں یہ کام اللہ کے لیے ہی کرتا ہوں اور اللہ ہی مجھے اس کا اجر دے گا۔ انشاء اللہ۔ ایک دفعہ آپ کے کپڑوں پہ لگے پیوند دیکھ کر میں نے ان سے کہا کہ آپ نئے کپڑے خرید لیں۔ اب تو یہ پرانے ہو گئے ہیں تو محبت بھری ناراضگی سے کہنے لگے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں سنت پر عمل نہ کروں۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ کپڑے کو اس وقت تک پہنو جب تک کہ پہنا جا سکے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر کتنے پیوند لگے ہوتے تھے۔

جناب غلام قادر صاحب آسائش اور آرام کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن آپ نے خود بھی عزیمت کی زندگی گزاری اور اپنے بچوں کو بھی اس کا عادی بنا لیا۔ آپ گھر بنانے کے قائل نہ تھے کہ یہ دنیا تو سرائے ہے۔ یہاں ذاتی گھر بنانے کا کیا تک ہے۔ آخری دنوں میں رفقاء نے زبردستی ایک پلاٹ خرید کر دیا۔ اس پر بھی خوش نہ تھے کہ یہ دُنیا فانی ہے اس میں دل نہیں لگانا چاہیے۔ اور ذاتی گھر تو دل لگانے کا سامان ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کو بھی تحریک کے کاموں میں لگائے رکھتے۔ آپ کہتے کہ جب تک اپنے بیوی بچوں کو جماعت کے کاموں میں عملی حصہ نہ دلاؤ گے، یہ تحریک کی دعوت شعوری طور پر سمجھ نہ سکیں گے۔ مرحوم کی اہلیہ جماعت کے حلقہ خواتین کی سرگرم کارکن ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی جمعیت طالبات کی شوریٰ کی رکن ہیں۔ بڑے بیٹے جماعت کے رکن ہیں اور باقی تینوں بیٹے بھی بالترتیب جمعیت کے اُمیدوارِ رکنیت اور رفیق ہیں۔ اور جہادِ افغانستان میں اکثر شریک رہتے ہیں۔ وہ جب بھی جہاد کے لیے نکلتے ہیں ان کی والدہ انہیں خود رخصت کرتی ہیں تاکہ وہ اپنے رب کے حضور سرخرو ہو سکیں۔ ان کا گھرانہ واقعی ایک مثالی تحریکی گھرانہ ہے۔ جہاں جب بھی گھر میں تبادلۂ خیالات ہوتا ہے تحریک ہی کی کوششوں پر ہوتا ہے۔ آخری دنوں میں ایک بیماری کی بنا پر آہستہ آہستہ اپنی بینائی اور یادداشت کھو بیٹھے تھے اور بیوی بچوں سمیت کسی کو بھی نہ پہچانتے تھے۔ لیکن یہ حیران کن بات تھی کہ جیسے ہی آذان کی آواز آتی

وہ اذان کے الفاظ دہراتے اور اس کے بعد کہتے کہ مجھے وضو کرا دو اور نماز پڑھتے یعنی بیماری میں بھی اگر کوئی چیز یاد تھی تو وہ نماز تھی۔

وفات سے چند منٹ پہلے جب مغرب کی اذان ہوئی تو اذان کے الفاظ دہراتے رہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہنے لگے کہ میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے، مجھے لٹا دو۔ پھر اپنے بستر پر لیٹے اور ایک دوبارہ کھانسی آئی اور جان دے دی۔

آپ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا۔ آپ اکثر اس خواہش کا اظہار کیا کرتے تھے کہ آنحضور علیہ التحیۃ والسلام نے ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی تو میری بھی سنّت کے مطابق ۶۳ برس سے زائد عمر نہ ہو اور اللہ نے ان کی سُن لی۔

ساری زندگی تحریک کی دعوت کو لیے گھر گھر اور قریہ قریہ گھومتے رہے۔ اُن کی تمنا تھی کہ جب میں مروں تو جماعت کے کارکُن کی حیثیت سے مروں۔ اور وہ واقعی مرتے دم تک جماعت کے کارکُن رہے۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہا کہ اسلامی انقلاب جلد از جلد برپا ہو۔ اور اسی کے لیے تادمِ مرگ کوشاں رہے۔ اللہ کریم ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

(جو اللہ کو محبوب ہیں اور اللہ ان کو محبوب ہے۔ یہ مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہیں۔ یہ اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لیے جان لٹا دیتے ہیں۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے)

(المائدہ - ۵۴)

مطبوعات

AT HOME IN PAKISTAN از محترمہ مریم جمیلہ۔ ناشر: محمد یوسف خان اینڈ سنز ۹۴/۱۵ سنت نگر، لاہور ۱، پاکستان۔ انگریزی ٹائپ کی اچھی متوسط طباعت، دبیز آرٹ کارڈ کا رنگین سرورق، متن کے صفحات ۲۰۹ پر می فیس، اور تصاویر کے صفحات ۶۔

محترمہ مریم جمیلہ کبھی نومسلم تھی۔ مگر اب تو وہ اس منزل سے آگے نکل چکی ہیں معنوی لحاظ سے وہ نومسلم ہی ہیں، کیونکہ انہوں نے نہ تو یہاں کے ماحول کے بگاڑ کو کچھ اپنے اُوپر مسلط ہونے دیا ہے اور نہ اس سے بیزار اور بددل ہوکر فی نفسہ اسلام یا پاکستان کے لیے اپنی محبت کو کم کرسکی ہیں۔ یہ شانِ استقامت! اب ایک جنس کمیاب ہے۔ اسلام نام ہی " ایمان + استقامت " کا ہے۔

مریم جمیلہ ایک عام خاتون نہیں، اعلیٰ درجہ کی مصنفہ ہیں اور اسلام کے متعلق مشرق و مغرب کی تصادم فکری روؤں کے علاوہ وہ خود مسلمانوں کے اندر اسلام اور ماڈرن ازم یا دلیبرٹینا ٹزلیشن کا بڑا غور دبینی مطالعہ رکھتی ہیں بلکہ اس پہلو سے ذہنی طور پر وہ پاکستان آنے سے پہلے ہی معلومات سے خاصی مسلح تھیں۔ اپنے فوق العام شعور کے سایے میں جو کتابیں انہوں نے لکھی ہیں، افسوس ہے کہ یہ معاشرہ ان کی قدر نہ کرسکا، اور کسی بھی دوسری قابلِ قدر شئے کی کما حقہٗ کہاں قدر ہوئی۔ نتیجہ وہ دردناک حالات ہیں جن سے ہم گذرے ہیں۔ علم اور دلیل اور ایمان کی راہ کے علاوہ جدھر چلو گے انجام بد ہوگا۔

خیر یہ الگ قصہ ہے۔ مریم جمیلہ نے اب پاکستان میں اپنی ذاتی اور اب نجی اور ازدواجی

زندگی کو باب بہ باب دنیا کے سامنے کھول کر رکھنا شروع کیا ہے۔ ترجمان ستمبر ۱۹۸۹ء میں ایک کتاب کا تعارف کرایا گیا تھا: MEMOIRS OF CHILDHOOD AND YOUTH - اس میں محترمہ مریم جمیلہ نے اس دردناک کش مکش کا مشاہدہ کرایا ہے جو شدید حیاپسندانہ اور خرافاتی مخلوط مجالس و تقاریب کی لایعنیات سے (قبل از قبولِ اسلام بھی) متنفر تھیں اور اسلام کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس کا یہ رجحان زور پکڑتا گیا۔ ان حالات میں متضاد معاشرے سے شدید سماجی اور ذہنی کش مکش شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ والدین کی طرف سے بھی آزمائش شدید ہو گئی۔ کئی سال کی اس کش مکش مسلسل نے اسے نفسیاتی دارالعلاج تک پہنچایا۔ اس تجربے کے جلد ہی بعد میں انہوں نے پاکستان کا رُخ کیا۔ مولانا مودودیؒ کی میہمان بھی رہیں۔ پتوکی کے ایک خوشحال دینی گھرانے میں مولانا کے مشورے سے جا کے رہیں اور خوب گھل مل گئیں۔ اسی ابتدائی دور میں ایک وقفہ ایسا بھی آیا کہ ایک بار پھر مریم جمیلہ کو ڈاکٹر رشید چوہدری کے زیرِ علاج رہنا پڑا۔ وہاں سے خان یوسف خان سے رابطہ چلا جو نکاح پہ منتج ہوا۔ اب وہ اس خاندان میں خوب گھل مل گئی ہیں اور خوش ہیں۔ پاکستان کی گھریلو زندگی کے بہت سے باریک پہلو، یہاں کے نام، یہاں کے کھانے، یہاں کی محبت و نفرت کے انداز، یہاں کی عام رسوم اور دینی شعائر سب کا بیان ہے۔ بہت سی ناگوار چیزوں کا بھی ذکر ہے اور کئی غم انگیز واقعات کا بھی۔ مگر کسی مقام پر ان چیزوں کے خلاف نفرت کا اظہار نہیں۔ کہیں پاکستان کو ناپسند کرنے کا اشارہ تک نہیں، بلکہ پُر زور طور پر کہا ہے کہ میں اب یہ جگہ چھوڑ کر مغربی ممالک میں جانا اور وہاں کے حالات کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔

یہ ساری کہانی جس میں افسانے سے بڑھ کر دلچسپی محسوس ہوتی ہے، اُن خطوط پر مشتمل ہے جو محترمہ مریم جمیلہ نے اپنے والدین کو لکھے۔ یہ انگریزی انشاء ادب کا اچھا نمونہ ہیں، سلیس مؤثر زبان ہے۔

کاش کہ اس علمی و دینی شخصیت سے کوئی ادارہ کام لے سکتا، مثلاً رابطہ عالمِ اسلامی اس خدمتِ اسلام پر جو انگریزی میں تحقیقی لٹریچر کی صورت میں سامنے ہے، کوئی قدر افزائی کر سکتا۔

رموزِ شاعری از عزیز جبران انصاری ۔ شائع کردہ : عادل کتاب گھر، سکھر۔
صفحات : ۱۶۰ ۔ قیمت : ۴۰/- روپے ۔

اِس کتاب میں مصنّف نے کوشش کی ہے کہ شعر گوئی کے شائقین کو فنِ شعر کے بنیادی قواعد اور اس سے متعلقہ بعض دیگر فنون کی ابتدائی ضروری معلومات مہیا کر دی جائیں۔

ہم جس دَور میں آج کل گزر رہے ہیں اُسے لااُبالیانہ زندگی گزارنے کا دَور کہا جا سکتا ہے۔ قاعدوں اور ضابطوں کی پابندی طبیعتوں پر ہمیشہ سے گراں گزرتی تھی، لیکن اب تو "روایت شکنی" کے نام پر ہر شعبۂ زندگی میں قواعد و ضوابط شکنی بڑے دھڑلّے سے کی جانے لگی ہے۔ اور شعر گوئی بھی اس بے راہ روی سے نہیں بچ سکی ہے۔ کم و بیش روزانہ اخبارات و جرائد میں ایسے ایسے "رشحاتِ قلم" پڑھنے میں آتے ہیں جن کی کوئی نہ کوئی "کل" ٹیڑھی ہی نکلتی ہے۔ اور پھر اردو شعر گوئی کے قواعدِ عروض، جو فارسی والوں نے عربی عروض سے لے کر مزید کَس دیے تھے، ناسخ نے مزید جکڑ بند کر دیے، بحروں اور اوزان کے نام، زحافات، سبب و وتد کی پابندیاں، قافیہ و ردیف کی ثقیل بندشیں، اقسامِ شعر کے لیے جدا جدا اوزان کا تعین وغیرہ ــــ یہ تمام قیود بھلا آج کل کے PUSH-BUTTON والے دَور میں کیونکر برداشت کیے جا سکتے! نتیجہ یہ کہ پابند نظموں کے بعد "نظمِ معرّا" وجود میں آئی، پھر "نظمِ آزاد" نے میدان سنبھالا؛ اور جب اس کی برائے نام پابندیاں بھی گراں گذرنے لگیں تو "نثری نظم" کے نام سے شاعری کی مٹی پلید کی جانے لگی۔

مگر افسوس ہے جناب عزیز جبران انصاری پر کہ

ع نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

ایسے حوصلہ شکن ماحول میں اگر بحور و اوزان، ردیف و قوافی اور پھر بدیع و بیان کی اجمالی تعریفیں، مثالیں اور مشقی غزلیں، نظمیں درج کر کے مصنّف ایک روایت کی پاسداری کرنا چاہتے ہیں تو ان کی ہمت قابلِ داد اور لائقِ دُعا ہے کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے۔ البتہ ان سے ایک گذارش یہ ہے کہ کتاب کی بعض فروگذاشتوں

سہووں اور غلطیوں پر ایک بار پھر نظر ڈال کر رفع کر لیں ۔ کیونکہ اس خشک موضوع پر کی جانے والی بحثیں بھی اگر کسی گوشے میں ناقص یا تشنہ رہ جائیں تو کتاب کی مقبولیت پر اثر انداز ہو سکتی ہیں ۔

جدید تاجیکی شعراء مؤلفہ : جناب کبیر احمد جائسی ، ادارۂ علوم اسلامیہ ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ ۔ صفحات : ۲۰۴ ۔ قیمت درج نہیں ۔

اِس کتاب میں تاجیک شعراء میں سے اُن چھ صاحبان کا اجمالی تعارف اور بہت مختصر نمونہ ہائے کلام ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی عمریں انقلابِ رُوس (۱۹۱۷ء) کے وقت دس گیارہ سال سے بھی کم تھیں ، اور انہوں نے اشتراکی انقلاب کو ذہناً و قلباً قبول کر لیا تھا ۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ قدیم تذکرہ نگاری اور جدید تاریخ نویسی کے بَین بَین کی چیز ہے ، تذکرہ نگار شعراء کی ترتیبِ زمانی کے بجائے ان کے تخلص کے حروف کی ترتیبِ تہجی ملحوظ رکھتے تھے ۔ اور چند سطروں میں شاعر کا تعارف کرا کر اس کے اِکّا دُکّا شعر بطور نمونہ نقل کر دیتے تھے ۔ ان کے برخلاف ، تاریخِ شعر مختلف اَدوار میں منقسم ہوتی ہے اور ہر دَور کے نمایاں شعراء کا تفصیلی تعارف نیز ان کے کلام پر تبصرہ بھی اس میں ہوتا ہے اور آخر میں ہر شاعر کے کلام کا معتدبہ حصّہ ، جس سے اس کی خصوصیاتِ شعری واضح ہوں ، نقل کر دیا جاتا ہے ۔ زیرِ نظر کتاب میں ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ، مگر اتنے محتاط انداز میں کہ خود مؤلف کا میلانِ طبع ظاہر نہ ہونے پائے ۔ یعنی ہر شاعر کے مختصر حالات کے ساتھ ساتھ اس کے نمونہ ہائے کلام ، بلکہ ان کی تشریح بھی ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ شاعر کے نقطۂ نظر (اشتراکیت) سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلاتے چلے گئے کہ اس شاعر کی دوسری (اور نسبتاً اعلیٰ درجے کی) نظمیں یا غزلیں دستیاب نہ ہو سکیں ۔ یہ " وضعِ احتیاط " جس سے مؤلف کا " رُکنے لگا ہے دم "

خود ہی قابلِ لحاظ ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف اب کھل کر اشتراکیت کی مدح کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ وہ نظریہ اپنے ہی وطن میں شکست و ریخت کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس جب ہم موصوف کی وابستگی علی گڑھ جیسے مسلم ادارۂ فکر و نظر اور اس میں بھی "ادارۂ علوم اسلامیہ" سے پاتے ہیں تو ہمیں توقع ہوتی ہے کہ فاضل مؤلف بے محابا اسلام کی "مدلل مداحی" کریں۔ مگر افسوس ہے کہ یہی توقع پوری کتاب میں پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ان چھ شعرا کا اردو دانوں سے تعارف صرف اس بنا پر کرایا گیا ہے کہ وہ مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے، اور ان کے نام مسلمانوں جیسے ہیں؟ کیونکہ جہاں تک ان نظموں اور غزلوں کا تعلق ہے جو کتاب میں جمع کی گئی ہیں وہ خاصی عامیانہ ہیں۔ ان میں تخیل تو ایک طرف، کوئی اچھی فنی لطافت بھی بمشکل ہی ملتی ہے۔ نیز، زبان کا بھی کوئی لطف نہیں۔ مثال کے طور پر ایک مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎ (ملخصاً)

سال ہائے کہ من جوان بودم — پس خبر از گپِ جہان بودم

وقتِ من صرفِ بیقراری بود — خاک بازی و خر سواری بود
پدرم خواب کردہ در خانہ — کیم۔ چہ می گفت مثلِ دیوانہ

مادرم بود تیرہ و (؟) کرخت — مثلِ بے برگ و بار شاخِ درخت

خانہ ما ن بود (؟) در حصارِ قدیم — در حصارِ خرابہ پہ بیم

آتش و خون بہ دھر بود حاکم (؟) — حاکمِ کشورِ جہانِ قدیم

خلقِ شوربدہ چون ظفر بنمود — زندگانی تازہ امی سر شود (رفقہ؟)
(وادی حصار از ترسون زادہ)

ایک اور ہم عصر کی غزلِ مسلسل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

می کشند ہر لحظہ سوی خویش، دل را حُسنِ تو بہر دل دارد ہمیشہ جنگ با ما حُسنِ تو
زور بازوی تر اا و کتابِ چوں بیدار کرد شہرتِ مردانگی بنمود پیدا حُسنِ تو
باہمہ بس آب و رنگی، باہمہ آں سادگی درمیانِ حُسنیاں زیبا و یکتا حُسنِ تو

(حبیب یوسفی سمرقندی)

ایک اور شاعر کا ایک ترجیع بند کا ایک بند بھی دیکھیے ؎

لشکرِ سرخ است چوں دیوارِ آہن در برت
چوں گہ موف قہرمانی ہست در ہر یک درت
کی دہد رہ، کہ رسد دستِ خیانت بر سرت؟

مادرِ مشفق توئی بر نسلِ زحمت، ای وطن
میر ہم در حفظِ تو، گر لازم آید، جان و تن

("بمادرِ وطن" از عبدالسلام دہہانی)

جناب جالسی کی یہ کوشش ہمیں اُن "ترقی پسند مصنفین" کی یاد دلاتی ہے جنہوں نے ایک باقاعدہ پروگرام اور منصوبے کے تحت ایک دوسرے کو مضامین اور کتابچوں کے ذریعے اُردو دان پبلک میں متعارف کرانے کی مہم چلائی تھی، اور ہر ادیب یا شاعر کو اتنا اُچھالا تھا کہ گویا معروف اور مسلّم اساتذہ نظم و نثر بھی ان نوخیز اہلِ قلم کے سامنے طفلِ مکتب ثابت کیے جا رہے تھے۔ اب نصف صدی بعد غالباً یہ مہم شروع کی جا چکی ہے، اور ہمیں دُور اُفتادہ تاجیکی شعراء سے اس طرح واقف کرایا جا رہا ہے کہ گویا تاریخِ ادب میں ان حضرات کی ناموجودگی ایک نقصان تھا، جس کی تلافی ضروری ہے۔ ان شعراء کی کاوشوں کی ایک جھلک آپ اُوپر دیکھ چکے۔ فارسی ادبیات کا جو ذوق برصغیر میں (جتنا اور جیسا بھی ہے) اس کے پیشِ نظر اگر یہ تاجیکی شعراء بھی یہاں قبولیت حاصل کر سکیں تو یقیناً یہ ایک حیرت ناک امر ہو گا۔

البتہ اس تالیف سے ایک مفید بات یہ ضرور برآمد ہوئی ہے کہ ہمیں فارسی زبان

کی وسعتِ مقبولیت کا کچھ اندازہ ہوا ہے ۔ محمود غزنوی نے جس چھوٹی سی علاقائی بولی کی سرپرستی کر کے اُسے زبردست ادبی و علمی زبان بنا دیا تھا ۔ اس کو ترکستانی علاقوں میں آج تک اتنی پذیرائی حاصل ہے کہ وہ اپنی زبان چھوڑ کر اس میں شاعری کرتے ہیں، جبکہ ان پہ کوئی حاکمانہ جبر بھی نہیں ۔

ہمارا سنگین ترین مسئلہ	مصنف : ڈاکٹر محمد منظور الحق ڈار (ہومیوپیتھ)

ناشر: حرا پبلیکیشنز ، میاں مارکیٹ ، اُردو بازار ، لاہور ، ضخامت : ۱۶۷ صفحات

قیمت : ۴۰/- روپے

محترم ڈاکٹر منظور الحق صاحب اصل میں تو خدمتِ خلق کے شعبہ ڈاکٹری کے آدمی ہیں ۔ امراضِ جسمانی و بدنی کے کامیاب ہومیوپیتھ معالج ہیں ۔ دلِ زندہ اور چشمِ بینا کے مالک ہیں، بصیرتِ قلب و نظر سے بھی بہرہ ور ہیں ۔ یہ ان کی پہلی قلمی کاوش ہے ۔ ہمیشہ سے انسان دو طرح کے امراض سے دوچار چلا آ رہا ہے ، ایک بدنی و جسمانی امراض اور دوسرے روحانی و اخلاقی امراض ۔ امراضِ جسمانی کی جس طرح آج کے دور میں بے شمار اقسام ہیں اسی طرح رُوحانی اور اخلاقی امراض کی فہرست بھی طویل ہے ۔ رُوحانی امراض میں شرک کی نوعیت بہت زیادہ مہلک ہے ۔

ہمارا معاشرہ ہندو ، انگریز اور دیگر بے خدا اور ناخدا آشنا تہذیبوں کے تسلط میں پے درپے پاکر اپنا اصلی حلیہ بگاڑ چکا ہے ۔ شرک نے مختلف لبادوں کے روپ دھار کر اس کے خرمنِ ایمان پہ ہر طرف سے یلغار کر رکھی ہے ۔ آج کا مسلمان جذبۂ دینی کا بڑا علمبردار بھی ہے ، کلمہ توحید (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) کا زبانی اقراری بھی اور شرک کے سنگین ترین اور مہلک ترین ناسور کا شکار بھی ۔

"ہمارا سنگین ترین مسئلہ" نامی کتاب میں شرک کی اسی سنگینی پہ عام فہم پیرایہ میں دعوتِ فکر دی گئی ہے تاکہ لوگ خود بھی اس سے بچیں اور دوسرے بھائیوں کو بھی بچائیں ۔

(عبد الوکیل علوی)

تصوف اور اہل تصوف از مولانا سید احمد عروج قادری - مرتب: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی - ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶
ضخامت: ۳۷۵ صفحات - قیمت: ۴۰/- روپے

مولانا سید احمد عروج قادری دورِ جدید کے متبحر علمائے دین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی علمی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس سے اہلِ دنیا تادیر مستفید ہوتے رہیں گے۔ مولانا موصوف نے جہاں دینی علوم پر گراں قدر کام کیا ہے، وہاں انہوں نے تصوف پر بھی بے مثال ولازوال کام انجام دیا ہے۔

مولانا کا بذاتِ خود تعلق صوفیا کے ایک خانوادہ سے تھا اور خاندان کے ایک بزرگ سے بیعت بھی تھے۔ اس وجہ سے موصوف تصوف کے کوچہ کے نشیب و فراز سے بخوبی آگہی و واقفیت رکھتے تھے۔ اس موضوع پر ان کی زندگی ہی میں دو کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ ایک کا نام "اسلامی تصوف" اور دوسری کا نام "تصوف کی تین اہم کتابیں"۔ ان میں سے ایک سید علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب اور دوسری نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ فوائد الفواد اور تیسری مجدد الفِ ثانیؒ کے شہرۂ آفاق مکتوبات یعنی مکتوباتِ ربانی کا تعارف اور ان پر نقد و تبصرہ۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں وہ مضامین جمع ہیں جو مولانا مرحوم نے اس موضوع پر مختلف اوقات میں لکھے ہیں ــــ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی گڑھ کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی صاحب نے اس موضوع سے متعلق بکھری ہوئی تحریروں کو بڑی محنت کر کے عمدہ اسلوب میں یکجا مرتب کر دیا ہے۔

مولانا موصوف نے غیر اسلامی تصوف پر ایک طویل مقالہ لکھا، اس میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"جب قیاسات اور ظن و تخمین کا بازار گرم ہو گیا، عقائد کی دنیا میں شکوک و شبہات کی آندھیاں چلنے لگیں۔ اور الحاد نے پر نکالے، فلسفۂ یونان کے اثرات اسلامی معاشرے میں پھیلنے اور سرایت کرنے لگے

تو علمائے اسلام نے علم کلام کی داغ بیل ڈالی - اور کتاب و سنت کو چھوڑ کر فلسفہ کا جواب فلسفہ سے دیا جائے گا۔"

اِس طرح دینِ اسلام کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا - ایک حصّہ سیاست و حکومت کا جو خلفاء، سلاطین و امراء اور وزراء کے لیے مختص کر دیا گیا - اور ایک حصّہ عبادات اور فقہی احکام کا جو علماء و فقہاء کے لیے مخصوص کر دیا گیا - ایسے ماحول اور ایسے حالات میں تصوّف نے جنم لیا - پھر غیر اسلامی نظریات و عقائد اس میں گھس آئے - اور وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، فنا و بقا، فانی فی اللہ، باقی باللہ، واصل بحق، خدا رسیدہ وغیرہ اصطلاحیں وجود میں آئیں -

المختصر اس موضوع پہ ایک اچھی کتاب وجود میں آ گئی ہے -

(عبد الوکیل علوی)

طبقۂ اُناث، یہاں اور وہاں مؤلف : محمد نصیر قریشی - ملنے کا پتہ : مقدس پبلشرز ۳۸ - اُردو بازار، لاہور -

اس رسالے میں عورتوں کے دائرۂ کار اور ان کی ذمہ داریوں پہ روشنی ڈالی گئی ہے - لیکن بحیثیت مجموعی اس نے "در مذمت نساء" کا رنگ اختیار کر لیا ہے - یہ صنف نقیم کے لیے ہے۔

ماہنامہ پکار مدیرہ : روبینہ نازنہ - پتہ دفتر : بی ۲۴۱ - بلاک ۱۳ ڈی ون گلشنِ اقبال، کراچی - فی پرچہ ۸/- روپے - سالانہ : ۵۰/- روپے

اسلامی جمعیت طالبات پاکستان کا ترجمان یہ ماہنامہ اپنے اندر اسلامی نقطۂ نظر سے خواتین کے لیے فکری رہنمائی اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص سروسامان رکھتا ہے - یہ اسلامی فکر و سیرت اور اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ کا علمبردار ہے اور ہر پہلو سے ایک مکمل ماہنامہ ہے جس سے خواتین کے اسلامی تشخص کو اُجاگر کرنے میں مدد ملتی ہے -

---

ماہنامہ افکارِ معلم | مدیر اعلیٰ: شبیر احمد منصوری۔ مقام اشاعت: ۴۷۔ایک پارک ۳۔میاں دل شیر روڈ، مزنگ، لاہور ۵۴۰۰۰

مشہور ماہرِ تعلیم پروفیسر سید محمد سلیم کی نگرانی میں شائع ہونے والا یہ تعلیمی رسالہ خاص مقصد کا حامل ہے۔ جس کے پیشِ نظر پاکستان میں رائج مختلف نظامہائے تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ایک ہی نظامِ تعلیم میں ڈھالنا، نظریۂ پاکستان کا تحفظ، اساتذہ کی صحیح اسلامی تربیت اور اُن کی فلاح و بہبود کے علاوہ طلبہ کی تعلیمی و فکری رہنمائی کرنا ہے۔ اپنے اس مقصد کے حصول میں یہ ماہنامہ بہت سرگرم عمل ہے۔ اور در اصل یہ تنظیم اساتذہ پاکستان کا ترجمان و نمائندہ ہے۔

بدل اشتراک فی شمارہ: ۵/- روپے اور سالانہ ۶۰/- روپے ہے۔

میزانِ محبت | از ڈاکٹر ام کلثوم علوی۔ ایم۔ بی بی ایس۔ ڈی ایم سی ایچ۔ ناشر: الجمعیۃ پبلیکیشنز۔ فیصل آباد (پتہ ناکافی)

ہے تو پمفلٹ جسے "اسلامی جمعیت طالبات پاکستان" نے شائع کیا ہے، مگر مصنفہ کی فضیلت کے علاوہ یہ اس کی چوتھی اشاعت ہے۔ پمفلٹ کا درس خدا پرستانہ فکر و کردار کا درس ہے اور اسلامی تحریک صلاح و فلاح کی تلقین ہے۔ مضمون کے چھوٹے چھوٹے حصے کر کے، ہر بات دل نشیں جملوں میں پیش کی گئی ہے۔ اقبال کے مصرعوں کو ذیلی عنوانات کے طور پر برتا گیا ہے۔ خاص زور "کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں" پر ہے۔ اہل ذوق اسے حاصل کر کے ضرور پڑھیں۔

نگارشاتِ مودودیؒ

مرتّب: سیّد اسعد گیلانی

● حکمتِ تبلیغ — صفحات: ۳۸۴ قیمت: -/۴۵ روپے

مرتّب: اختر حجازی

● تفہیمات حصّہ چہارم	۳۹۲	-/۴۸
● تفہیمات حصّہ پنجم	۴۸۲	-/۶۶
● استفسارات حصّہ اوّل	۴۴۸	-/۴۰
● استفسارات حصّہ دوم	۴۰۰	زیرِ طبع

مرتّب: عبدالکریم عابد

● مولانا مودودیؒ کے سیاسی افکار	۲۰۶	-/۲۴

سائز: $\frac{۱۸ \times ۲۳}{۸}$ ● کاغذ: وائٹ پرنٹنگ

طباعت: عکسی ● ٹائیٹل: دیدہ زیب

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فون: ۳۲۴۴۶۸
۶۸۶۳۶

REGD. NO. L 5340 PHONE : 324468

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

جاری کردہ: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رودادِ اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسۂ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد، امیر جماعتِ اسلامی

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان، ۸۳ء-۸۹ء
  (قافلۂ حق کی چھ سالہ رودادِ سفر)
- اعلامیہ

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

دیگر تقاریر

- دروسِ قرآن وحدیث
- انقلابی کردار: ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت: رُحَمَاءُ بَیْنَهُم
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان ــــ اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

مقرّرین

میاں طفیل محمّد ○ مولانا جان محمد عبّاسی ○ پروفیسر غفور احمد

چودھری رحمت الٰہی ● پروفیسر خورشید احمد ● خرّم مُراد

نعیم صدّیقی ○ مولانا خلیل احمد حامدی ○ مولانا گوہر رحمٰن

مولانا فتح محمد ● حافظ محمد ادریس ● لیاقت بلوچ

سیّد منوّر حسن ○ ایّوب ٹھاکر ○ ڈاکٹر صیام

- ٹائیٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، -/۳۰ روپے
- لائبریری ایڈیشن، -/۴۵ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار، لاہور

فون: ۳۲۴۴۶۸-۶۸۶۳۶ : پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳